MADRASA-TUL-QAAIM (A.S.)
مدرسۃ القائم

تم دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت
کی زندگی بہت بہتر ہے اور اس میں بقا ہی بقا ہے۔۔

(سورۂ اعلیٰ۔ آیت 17-16)



مرضِ حُبِّ دنیا

علامات اور علاج



جمع و ترتیب
سیّد عابد حسین زیدی

پیغامِ وحدتِ اسلامی کراچی

مرضِ حُبّ دُنیا

علامات اور علاج

جمع وترتیب

سیّد عابد حسین زیدی

ناشر

پیغامِ وحدتِ اسلامی

کتاب کی شناخت

نام کتاب	:	مرضِ حُبِّ دُنیا علامات اور علاج
جمع وترتیب	:	سیدعابد حسین زیدی
کمپوزنگ	:	الباسط گرافکس
گرافکس	:	سیّدمحمد علی زیدی (ذیشان)
پروف ریڈنگ	:	سیدرضا عباس عابدی (محمد)
مطبع	:	الباسط پرنٹرز
ایڈیشن	:	سوئم
تعداد	:	ایک ہزار
سالِ طبع	:	۲۰۰۸

باہتمام

مدرسۃ القائم

A-50 بلاک 20، سادات کالونی، فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون: 0334-3102169 , 021-6366644 0333-2136992

ویب سائٹ: www al-qaaim.com ای میل: info@al-qaaim.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

تقریظ

دنیا کی محبت تمام گناہوں میں سرِ فہرست ہے۔ بے شک تمام گناہ دنیا کی محبت اور اس پر فریفتگی کی وجہ سے ہی سرزد ہوتے ہیں بلکہ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیائے اسلام کی تاریخ میں واقع ہونے والا سب سے بڑا جرم یعنی حادثہ کربلا بھی اسی ''حُبِّ دُنیا'' کی وجہ سے پیش آیا۔ جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے ایک بدنما داغ بن کر رہ گیا۔ یزید حُبِّ دنیا کا ایک مجسم نمونہ تھا۔ ابن زیاد جو حُبِّ دنیا میں غرق ہو چکا تھا جسے امام علیہ السّلام نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تمہیں رے کی گندم بھی نصیب نہیں ہوگی، مگر اُس بدبخت کے سر سے یہ سودا نہ گیا۔

دنیا کی محبت جب دلوں میں راسخ ہوگئی تو ان لوگوں کو اتنے بڑے جرم پر آمادہ کیا گیا اور ان لوگوں نے اتنی جلد فرزندِ رسول ؐ کی عظمت کو نظر انداز کیا جبکہ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ

ترجمہ: کہہ دیجئے اے رسولؐ میں تم سے کچھ بھی اجر رسالت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم میرے قربیٰ سے مودّت اختیار کرو۔

یعنی ان پر اپنی تمام محبتوں کو قربان کر دو مگر دنیا کی محبت ان کے لئے ایسے آڑے آئی کہ بجائے اس کے کہ اپنی محبتوں کو فرزندِ رسولؐ پر قربان کرتے، خود فرزندِ رسول ؐ کو بھوکا پیاسا ذبح کیا۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ بقدرِ ضرورت لینے کا حکم ہوا۔

ولا تنس نصیبک من الدنیا

تم دنیا سے اپنا حصہ لینا مت بھولو۔ لیکن اس کو اپنے دل میں بسا لینا حُبِّ دُنیا ہے جو مذموم ہے۔

جب دُنیا ہی وہ بنیادی چیز ہے جس سے دوسری تمام بیماریاں جنم لیتی ہیں، حسد بغض، دشمنی، چغلی، غیبت، ظلم، قتل، جبر، تمام امراض اسی حُبِّ دُنیا کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی مریض کے مرض کا علاج اس وقت یقینی ہو جاتا ہے جب اس کے مرض کی تشخیص یقینی ہو جائے۔ ہر ماہر ڈاکٹر تشخیص بنا کر علاج شروع کرتا ہے۔ اس مختصر رسالہ میں جناب سید عابد حسین زیدی صاحب نے بڑی باریک بینی کے ساتھ تمام معنوی بیماریوں کی جڑ پر ہاتھ رکھا ہے۔ مکمل تشخیص کر کے اس کے آثار، نتائج اور علاج پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اس سے پہلے بھی آپ کی ایک کتاب "مرضِ تکبر علامات، تشخیص کے طریقے اور اس کا علاج" کے نام سے طبع ہو کر مقبولِ خاص و عام قرار پائی ہے۔ خدا کرے مرتّب کا زورِ قلم اور زیادہ ہو۔

مولانا سید ذوالفقار علی زیدی

امام جمعہ جامع مسجد محمد مصطفیٰ، عباس ٹاؤن کراچی

پیش لفظ

ہر چند کہ ہمارے اندر مختلف امراضِ روحانی پائے جاتے ہیں لیکن جناب رسولِ خدا کی احادیث کے مطابق تمام امراضِ روحانی کا سبب صرف ایک ہی چیز ہے۔ وہ کیا ہے؟

رسولِ اسلام فرماتے ہیں : حُبُّ الدُّنیا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَة

دُنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لہٰذا اگر مرضِ اصلی کا علاج کرلیا جائے تو تمام امراضِ روحانی کا علاج ہو جائے گا کیونکہ اصل مرض بقیہ امراض کا سبب ہوا کرتا ہے۔ حُبِ دُنیا چونکہ تمام خطاؤں کی جڑ ہے جب اس کا علاج ہو جائے گا تو سارے امراض خود ہی رفع ہو جائیں گے۔

البتہ ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ حُبِ دُنیا چونکہ تمام امراض کی جڑ بتلایا گیا ہے تو اس کو دیگر امراض سے کیا علاقہ؟ مثلاً نماز نہ پڑھنے کا حُبِ دُنیا سے کیا ربط ہے؟ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص میں حُبِ دُنیا ہو اور وہ نماز بھی پڑھتا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص میں حُبِ دُنیا ہو اور وہ روزہ بھی رکھتا ہو یا مثلاً کسی میں غصہ اور دنیا کی محبت نہ ہو بظاہر تو کوئی تعلق معلوم نہیں دیتا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو حُبِ دُنیا کا ہر مرض سے واسطہ ہے کیونکہ جس میں حُبِ دُنیا ہوگی اس سے آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا اور وہ اعمالِ حسنہ بھی انجام نہ دے گا، نہ کما حقہ بُرائیوں سے بچے گا کیونکہ جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے البتہ حیاتِ دنیا پر مطمئن ہونا قابلِ مذمت ہے۔

اب یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اطمینان کسے کہتے ہیں؟ اطمینان کے معنی ہیں سکون کے جو کہ مقابل ہے حرکت کا۔ مطلب یہ ہوگا کہ حیاتِ دنیا پر اتنا قرار ہوگیا کہ دنیا کے آگے قلب وذہن کو حرکت ہی نہیں ہوتی۔ آگے خیال ہی نہیں جاتا بس جیسے کوئی چیز مرکز پر ٹھہر جاتی ہے اور آگے ہی نہیں بڑھتی۔ یعنی اصل خرابی یہ ہے کہ حیات دنیا پر ایسا اطمینان ہوجائے کہ حرکتِ الی الآخرۃ نہ ہو۔

لہٰذا قلب کو دنیا پر قرار ہوجانا اور آخرت کے لئے دل کا بے چین نہ ہونا یہی جڑ ہے تمام روحانی بیماریوں کی۔ لہٰذا بغیر حرکت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ خود اس بیماری سے چھٹکارا پانے کا ارادہ کریں تو خدا کی طرف سے بھی توجہ ہوگی جس طرح حضرت یوسفؑ نے بھی جب بھاگنے کا ارادہ کیا تھا تو ارادہ کرتے ہی سارے دروازوں کے قُفل ٹوٹ گئے تھے کیونکہ رحمتِ حق کے متوجہ ہونے کے لئے عادۃً قصد وارادہ شرط ہے۔

دنیا کی کوئی خوشی مکمل طور پر تو کبھی حاصل ہو ہی نہیں سکتی اور آخرت کی کوئی راحت بھی ایسی نہیں ہے جو اختیاری نہ ہو۔ نبوت اور امامت کے عہدوں کو چھوڑ کر بڑے سے بڑے درجے میں جانا اختیاری ہے۔ وہاں تو بس خوشی ہی خوشی ہے جو بالکل ہمارے اختیار میں ہے قارئین کرام آخرت کی فکر اور اس کی امنگیں پیدا کریں۔ شریعت نے دنیا سے فائدہ اُٹھانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے منع کیا ہے۔ پس دُنیا کو حاصل کرنا حرام نہیں ہے۔ ہاں دین کو برباد کرکے دُنیا کمانا حرام ہے۔

ادارہ

پیغام وحدت اسلامی

دنیا اب تک باکرہ ہے

حکایت میں ہے کہ مردِ عارف نے دنیا کو خواب میں دیکھا کہ وہ بڑھیا ہے مگر ابھی تک باکرہ (کنواری) ہے انہوں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے کہ تم نے اتنے خصم کئے اور اب تک کنواری کیسے ہو؟ تو دنیا نے کہا: جو مرد تھے انہوں نے مجھے منہ نہیں لگایا اور جو میرے عاشق تھے وہ نامرد تھے۔ انھیں میں نے منہ نہیں لگایا اس لئے ابھی تک کنواری ہوں۔

مومنین کے دنیا پرست ہونے پر شیطان کی خوشی

روایت میں ہے کہ جب حضرت خاتم الانبیاءؐ مبعوث ہوئے تو ابلیس کا لشکر ان کے اطراف جمع ہو کر کہنے لگا: ''خدا نے ایک پیغمبر کو بھیجا ہے جس کی ایک امت قرار دی گئی ہے۔'' ابلیس نے کہا: ''کیا اس کی امت دنیا کو دوست رکھے گی؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں'' اس وقت ابلیس نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں وہ بت پرستی نہیں کرتے نہ کریں۔ میں رات دن ان کو ایسے مشغلے میں لگاؤں گا کہ وہ خلافِ حق مال حاصل کر کے بیجا طور پر صرف کریں اور حقدار کو نہ دیں۔ میں ان میں اسی مال کی وجہ سے تمام خرابیاں پیدا کر دوں گا۔

دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں: ''دنیا و آخرت ایک دوسرے کی ضد (سوکنیں) ہیں۔ ان میں سے ایک کو جتنا خوش کرو گے دوسری کو اتنا ہی ناراض کرو گے۔''

دنیا شیطان کی دکان ہے

ایک مرد دانا کا قول ہے: ”دنیا شیطان کی دکان ہے اس سے کوئی چیز نہیں لنی چاہئے ورنہ شیطان تمہیں اپنا گاہک سمجھ کر پیچھا ہی کہاں چھوڑے گا۔“

سختیوں کے ساتھ ہی دنیاوی زندگی گزر جاتی ہے

ایک امیر نے کسی سن رسیدہ بوڑھی جس کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) برس کی تھی سوال کیا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ تو اس نے جواب دیا: ”چند سال سختی و مصیبت میں گزرے اور چند سال سہولت و آسانی کے ساتھ۔ اور یہ چند سال بھی قلتِ مالِ دنیا کے ساتھ گزر ہی جاتے۔“

دنیادار کی تین (۳) حسرتیں

علمائے عرفان فرماتے ہیں کہ وہ کونسا شخص ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت تین ارمان اپنے ساتھ نہ لے جائے:

(۱)......ایک حسرت تو یہ باقی رہتی ہے جو کچھ جمع کیا تھا اس کو اچھی طرح استعمال کا موقع نصیب نہ ہوا۔

(۲)......ساری اُمیدیں پوری نہ ہوسکیں۔

(۳)......آخرت کی تیاری جیسی ہونی چاہئے تھی ویسے نہ ہوسکی۔

عقلمند کون ہے؟

صحابئ رسول ؐ یحیٰی ابن معاذؓ فرماتے تھے:

”عقلمند کہلانے کا حق صرف اسی شخص کا ہے جو تین کام سرانجام دے سکے“

(۱)......دنیا کو ترک کر دے اس سے پہلے کہ دنیا خود اسے چھوڑ دے۔

(۲)......اپنے لئے قبر تعمیر کرلے پیشتر اس کے کہ دوسرے اس کی قبر کھودیں اور اس کو قبر میں اتار دیں۔

(۳)......اللہ کی خوشنودی حاصل کرلے اس سے پیشتر کہ وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر ہو۔

پیسہ ہاتھ سے نکل کر فائدہ پہنچاتا ہے

ایک روایت میں ہے کہ مولائے متقیانؑ نے ایک مرتبہ درہم (چاندی کے سکے) کو تھیلی میں رکھ کر کہا: ''تو وہ چیز ہے کہ جب تک میرے ہاتھ سے باہر نہ ہو جائے مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''

ایک نہایت قیمتی قول

عبداللہ بن مسعودؓ صحابئ رسولؐ فرماتے تھے کہ ہر شخص صبح کو مہمان ہے اور اس کا مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ مہمان کو بہر حال جانا اور امانت کو ہر حال میں واپس کرنا ہے۔

مالداروں کو خطرات

حضرت ابوالدرداؓ صحابی رسولؐ فرماتے تھے کہ ہم غریب اپنے مالدار بھائیوں سے ناانصافی کرتے ہیں حالانکہ کھانے پینے اور پہننے میں ہم برابر کے شریک ہیں صرف کیفیت میں فرق ہے۔

فاضل مال کو مالدار بھی استعمال نہیں کرتے۔ ہاں اس کو دیکھ ضرور لیتے ہیں

اور دیکھنے کو تو ہمیں بھی مل جاتا ہے اور مالداروں پر اس مال کی حفاظت کی ذمہ داری مزید ہے جو ہم پر بالکل نہیں۔ اور قیامت میں ان سے اس مال کا حساب لیا جائے گا اور ہم اس سے بھی بری الذمہ ہیں (آپ ناحق ان بیچاروں کو بُرا سمجھتے ہیں)۔

یہی وجہ ہے کہ مالدار آدمی کو مرتے وقت دو آفتیں درپیش ہوتی ہیں دوسروں کو نہیں ہوتیں ایک تو یہ ہے کہ سارا مال اس سے چھن جاتا ہے۔ دوسرا اسے تمام مال کا حساب دینا پڑتا ہے۔ اگر حلال مال تھا تو اسے نیک مصرف میں کیوں نہ لایا گیا اور اگر حرام تھا تو حاصل کیوں کیا؟

مومنین کو مولائے کائناتؑ کی ایک نصیحت

مولاؑ فرماتے ہیں: ''اے خدا کے بندو! متوجہ رہو کہ پرہیز گار دنیا میں بھی فائدے حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہ دنیاداروں کے ساتھ دنیاوی فوائد میں شریک ہیں مگر دنیادار ان کے آخرت کے فوائد میں شریک نہیں۔ انھوں نے بھی دنیا سے وہی استفادہ کیا ہے جو عیاش، ظالم اور متکبر لوگ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ آخرت کا زادِ راہ اور دنیا کی تجارت کے محل سے پوری طرح کما کر آخرت کی طرف منتقل ہو گئے ہیں اور دنیا سے زہد کی لذت کو بھی حاصل کیا ہے اور انہیں یقین تھا کہ آخرت میں اللہ کے جوارِ رحمت میں اس طرح زندگی گزاریں گے کہ ان کی کوئی خواہش بھی رد نہیں کی جائے گی اور لذت اور خوشی سے ان کا کوئی حصہ کم اور ناقص نہ ہوگا''۔

دنیا کو تو بالآخر چھوڑنا ہی ہے

تفسیر روح البیان میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک

مرتبہ ایک انتہائی قیمتی برتن تحفہ میں ملا جو بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ اس نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ تمہیں کیسا لگا؟ وزیر نے عرض کی: بادشاہ سلامت اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو یہ آپ کے قابل نہیں۔ بادشاہ کو وزیر کی یہ بات بہت بُری محسوس ہوئی اور کہا کہ کیسے بدذوق آدمی ہو کہ تمہیں اتنی اچھی چیز پسند نہیں آئی۔ بادشاہ نے برتن کو ایک خاص مقام پر رکھنے کی ہدایت کی اور ایک شخص کو اس کی حفاظت پر مامور کیا۔ ایک دن وہ قیمتی برتن بادشاہ کو دکھانے لے جا رہا تھا کہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ بچارے اس شخص کی شامت آگئی۔ وزیر نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بادشاہ کو سمجھایا کہ دیکھا حضور میں نہ کہتا تھا کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس برتن سے دل لگائیں، اس کو تو ٹوٹنا ہی تھا۔ آپ کو اس میں دل نہیں لگانا چاہئے تھا۔ اس کے ٹوٹتے ہی آپ کا دل ٹوٹ گیا۔ بادشاہ وزیر کی حکمت اور عقل کا معتقد ہو گیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوا کہ عقل مند انسان شروع ہی سے فنا ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ لہذا اس میں دلچسپی نہیں لیتا۔ وہ آغاز ہی سے دنیا کو اہمیت نہیں دیتا اور اپنی دوستی کا دائرہ عالمِ آخرت تک وسیع کر لیتا ہے۔

حُبِّ دُنیا کم کر کے آخرت کیلئے زادِ راہ جمع کرنے کا فائدہ

آیت اللہ دستغیب شیرازیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے اوپر کے مکان سے مٹی نیچے پھینکی جوان کے سر پر گری تو فرمانے لگے: ”خداوند تیرا شکر ہے میرے سر پر گناہوں کا ایسا بوجھ ہے کہ اگر پتھر بھی پھینکے جائیں تو بھی وہ نہ اترے۔ تو کتنا مہربان ہے کہ مجھ پر کتنی

نرم نرم خاک پھنکوادی''۔

جس کو آخرت کی یاد ہو تو دنیا کی تھوڑی سی تکلیف اسے زیادہ نہیں ستا سکتی اور اپنے وطنِ اصلی کو یاد کر کے راحت ہو جاتی ہے۔ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھا ہے اسی لئے یہاں سے جدا ہونے کا غم اور رنج ہوتا ہے ورنہ جب آدمی سفر پر جاتا ہے واپسی پر جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں روح فنا ہوتی ہے۔ اگر واقعاً وطنِ اصلی کا شوق پیدا ہو جاتا تو دنیا کے ہزاروں غم کم ہو جاتے، ہزاروں خواہشاتِ دنیا فنا ہو جاتیں اور جو آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں تو جیسے جیسے وہ مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو وہ خوشیاں مناتے ہیں جیسے کہ سفر سے آئے ہوئے گھر کے قریب پہنچ کر خوشیاں مناتے ہیں۔ جیسا کہ شبِ عاشور اصحابِ امام حسینؑ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے کہ اپنا گھر اور مقام عالمِ آخرت میں نظر آ رہا تھا۔

حُبِّ دُنیا میں مبتلا شخص کی مثال

حُبِّ دُنیا میں مبتلا شخص کی مثال ریشم کے کیڑے سے دی جاتی ہے کہ وہ جس قدر اپنے گرد ریشم کا جالا بُنتا ہے اسی قدر نجات کا دروازہ اس کے لئے بند ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ غم و غصہ ہی سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

دنیا کی لُغوی تعریف

دنیا لفظ ''دنُو'' سے مشتق ہے جس کے معنی قریب اور نزدیک کے ہیں۔

تعریف دنیا بزبانِ مولائے متقیانؑ

ایک شخص نے سردار اولیاء علی ابن ابی طالبؑ سے عرض کی کہ مولاؑ دنیا کی تعریف کیجئے؟

حضرت نے فرمایا کہ کیا تعریف کروں؟ اگر کوئی ...اں تندرست ... دنو بے فکر نہیں ہے۔ اگر بیمار ہے تو پریشان ہے۔ جو محتاج ہیں وہ غمگین ہیں۔ جو مالدار ہیں وہ آفت میں مبتلا ہیں۔ اگر حلال سے حاصل کریں تو حساب دینا ہوگا اور اگر حرام سے کسب کریں تو عذاب بھگتنا ہوگا۔

دنیاوی قلبی تعلقات حجاب ہیں

اس دنیا سے دلبستگی اور قلبی محبت ہی کا نام ہے۔ مذموم دنیا، اس سے وابستگی جتنی زیادہ ہوگی اتنے ہی قلبِ انسانی پر پڑے پردے دبیز ہوتے جائیں گے بعض احادیث میں آیا ہے کہ "خدا کے نورانی اور ظلمانی ستر ہزار پردے ہوں گے"۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ ظلمانی حجاب وہی دنیا سے قلبی تعلقات والے ہوں گے یہ تعلقات جتنے زیادہ ہوتے جائیں گے پردے بھی اتنے زیادہ ہوتے جائیں گے اور تعلق جتنا شدید، حجاب اتنا ہی غلیظ تر ہوگا اور اس کا چاک کرنا مزید مشکل تر ہوگا"۔

روزانہ ہماری پیشانی پر کچھ لکھ دیا جاتا ہے

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح وشام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد دنیا کا حصول ہو تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے

درمیان فقر و ناداری لکھ دیتا ہے۔ اس کے سارے کام بگاڑ دیتا ہے اور اپنی قسمت میں لکھے گئے کے علاوہ اس کو دنیا سے کچھ بھی نہیں ملتا۔

جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد آخرت کا حصول ہو تو خدا اس کے دل میں مالداری اور بے نیازی عطا کر دیتا ہے اور اس کے تمام کاموں کو پورا کر دیتا ہے۔

آخرت کے لئے دنیا کا نقصان اٹھالیجئے

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: دنیا کی طلب میں آخرت کا نقصان اور آخرت کی طلب میں دنیا کا نقصان ہے۔ پس آخرت کی طلب میں دنیا کا نقصان کرو کیونکہ دنیا اسی قابل ہے کہ اس کا نقصان کیا جائے۔

کاش ہم دیکھ لیتے

مولائے کائنات حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''اگر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا کہ موت تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہی ہے تو وہ آرزوؤں اور طلبِ دنیا کو ترک کر دیتا۔

دنیا کی مثال بارش کی سی ہے

سورۂ حدید میں ارشادِ ربُّ العزّت ہے:

آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی زندگی مشغولیت، دل بہلاوا، جھوٹی آرائش اور مال و اولاد کی کثرت پر تمہارا آپس میں فخر کرنا اور جھگڑتے رہنا ہے۔ اس کی مثال بارش جیسی ہے کہ اس سے نباتات کا اُگنا کافروں کو عجیب سا لگا۔ پھر وہ لہلہانے

لگتی ہے اس کے بعد تم اس کو زرد ہوتے دیکھتے ہو اور پھر چُر مُر ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر عالمِ آخرت میں (دنیا طلبوں) کے لئے عذاب ہے اور مومنوں کے لئے اللہ کی رضا مندی اور بخشش بھی ہے۔ پس جان لو کہ دنیا کی زندگی دھوکے اور بہلاوے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ دُنیا جس کا حصول قابلِ تعریف ہے

(۱)......راوی نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کہ مولا ہم دنیا سے محبت کرتے ہیں۔ تو آپؑ نے فرمایا: اسے (مال و دولت کو) کس کام میں لاتے ہو۔ راوی نے کہا: ہم اس سے شادی کرتے ہیں، حج بجالاتے ہیں محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مومن بھائیوں کی مدد کرتے ہیں، راہِ خدا میں صدقہ دیتے ہیں تو آپؑ نے فرمایا: یہ حُبِّ دُنیا نہیں حُبِّ آخرت ہے۔

(۲)......امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشادِ گرامی ہے: جو شخص اپنے اور اپنے بچوں کے لئے رزقِ حلال کمانے کی کوشش کرتا ہے، وہ اس مجاہد کی مانند ہے جو خدا کی راہ میں جہاد میں مشغول ہوتا ہے۔

(۳)......امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا میں اپنی روزی حاصل کرے تا کہ لوگوں سے بے پرواہ ہو جائے اور اپنے اہل و عیال کی روزی وسیع کرے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ احسان کرے، وہ قیامت کے دن خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔

(۴)......ایک شخص جو مولائے کائناتؑ کے سامنے دنیا کی مذمت کر رہا تھا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: یہ دنیا سچائی اور صداقت کا گھر ہے اُس

کے لئے، جو اِس کے تصدیق کرے۔ امن وامان اور عافیت کا گھر ہے جو اِس کی حقیقت کو پہچان سکے۔ اس سے بے نیاز ہونے کا امکان ہے جو اس سے زادِ راہ حاصل کرے۔ نصیحت لینے کی جگہ ہے جو اِس سے نصیحت حاصل کرے۔

یہ دنیا اللہ کے دوستوں کے لئے سجدے کرنے کی جگہ ہے اور اللہ کے فرشتوں کے لئے نماز کا مکان ہے۔ دنیا اللہ کی وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے اور خدا کے اولیاء کے لئے تجارت کی جگہ ہے۔ انھوں نے دنیا میں اللہ کے فضل اور رحمت کو حاصل کیا ہے اور جنت کو منافع کے طور پر حاصل کیا ہے۔

حُبِّ دُنیا کی حقیقت

بعض لوگ حُبِّ دُنیا کی مذمت سن کر کہہ دیتے ہیں بس پھر تو کسی بھی شئے سے محبت نہیں ہونی چاہئے۔ اسلام یہ نہیں کہتا ہے کہ کسی شئے کی محبت نہیں ہونی چاہئے بلکہ کہتا ہے کہ اللہ کی محبت سب چیزوں پر غالب رہنی چاہئے اسی وجہ سے کہا کہ (احب الیکم من اللہ) یعنی اللہ کے ساتھ زیادہ محبت ہونی چاہئے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی شئے کی محبت نہ ہو۔ جس کے پیسے کھو جائیں اس کو رنج ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسے مال کی محبت تھی لیکن وہ محبت اس لئے دب گئی کہ جس نے کھویا ہے وہ اس سے زیادہ محبوب ہے اس لئے کچھ پرواہ نہیں کی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو ستارے معدوم نہیں ہوتے بلکہ رہتے ہیں مگر آفتاب کا نور ایسا غالب ہوتا ہے کہ نظر نہیں آتے۔ اسی طرح جب آفتابِ عشقِ الٰہی طلوع ہوتا ہے تو اس کے سامنے محبتیں مثل ستاروں کی طرح غائب ہو جاتی ہیں جبکہ وہ موجود ہوتی ہیں۔ جبکہ اللہ والوں کو ہم سے بھی

زیادہ ان لوگوں کی محبت ہوتی ہے مگر بات یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور زیادہ ہوتی ہے چنانچہ اگر کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو ان کو زیادہ بے چینی ہوتی ہے۔ معیار فقط یہ ہے خدا کی اطاعت میں کمی نہ ہو۔ اگر یہ معیار محفوظ ہے تو پھر طبعی محبت دنیا سے، بیوی سے، اولاد سے رہے تو کچھ ڈر نہیں۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کسبِ دنیا سے منع نہیں کرتا بلکہ حُبِ دُنیا سے منع کرتا ہے۔ مطلق محبتِ دنیا سے بھی منع نہیں کرتا بلکہ دنیا سے زیادہ محبت سے منع کرتا ہے۔

دنیا سے زیادہ محبت سے بھی مطلقاً منع نہیں کرتا بلکہ زیادہ محبتِ عقیلہ سے منع کرتا ہے۔ اگر چہ طبعی طور پر کسی کو دنیا سے زیادہ محبت بھی ہو تو بھی زیادہ حرج نہیں مگر عقلاً ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی احبیتِ طبعی میں حرج نہیں احبیت عقیلہ سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی حُبِ دُنیا و آخرت میں ٹکراؤ ہو تو بس اس وقت دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو لیا جائے۔ انسان حلال طریقے سے کمائے اور اسلام کی بتائی ہوئی جگہوں پر نیک کاموں میں خرچ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر حُبِ دُنیا باقی رہتی ہے تو رہا کرے۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

غرض دنیائے مذموم وہ لذت ہے جو آخرت کی لذت کا ذریعہ نہ ہو۔ اگر دنیاوی لذتیں آخرت کی لذتوں کا ذریعہ ہی نہیں تو وہ دنیا ہی نہیں آخرت ہیں۔ اسی وجہ سے پیغمبرِ اسلام نے نماز کو بھی دنیا میں سے قرار دیا ہے اور فرمایا: تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں:

(۱) خوشبو (۲) عورتیں (۳) نماز جو میری آنکھوں کی روشنی ہے۔

جبکہ بظاہر نماز اعمالِ آخرت میں سے ہے لیکن حضورؐ نے اس کو دنیا شمار کیا ہے۔

ایک اہم نکتہ

آیت اللہ محمد آصف محسنی اپنی کتاب ''اسلامی اخلاق کا جدید اسلوب'' میں فرماتے ہیں:

اگر چہ دنیا ایک ناپائیدار اور بے وقعت چیز ہے اور ضرورت سے زیادہ اس سے لگاؤ نہیں رکھنا چاہئے۔ انسان کی تمام تر توجہ اور فکر معارفِ اخلاقیات اور عبادی مراسم کی طرف ہونی چاہئے اور عالم آخرت کو یاد کرنے پر تمام قوتیں صرف ہونی چاہئیں۔

مگر یہ لازمی بات ہے کہ اس طرح مسلمانوں کی دلچسپی اور توجہ مادی علوم، میڈیکل سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ سے مکمل ختم نہ سہی مگر کم تو ہو جائے گی جس کے نتیجے میں اسلامی ممالک کے بازار اور منڈیاں کفار کی برآمدات سے بھر جائیں گی اور ہمارے نوجوان مادی علوم سائنس وغیرہ کے حصول کے لئے دشمن ممالک کا رخ کریں گے۔ جہاں جانے سے ایک عرصے کے بعد اگر وہ کافر نہ بھی ہوئے تو دل برداشتہ ضرور ہو جائیں گے بلکہ آہستہ آہستہ اسلام سے مقابلہ کرنا شروع کر دیں گے۔ (یہی وجہ ہے کہ اس ۲۰ ویں اور ۲۱ ویں صدی میں اکثر اسلامی ممالک کے متعدد اسلامی قوانین کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں فضول اور بے ہودہ سمجھا جاتا ہے اور کفار کے خود ساختہ قوانین کو قانونی حیثیت دی ہے)۔

اور آخر کار مسلمانوں کی مالی کمزوری اس بات کا باعث بنے گی کہ یکے بعد دیگرے اسلامی ممالک کفار کے قبضے میں چلے جائیں بلکہ چلے جا رہے ہیں۔ اس طرح ہمارا دین بھی تباہ ہوگا اور دنیا بھی۔ اور اس طرح کے اخلاقی ضابطے کی

پیروی کا نتیجہ سو فیصد غلط اور الٹا برآمد ہوگا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج کی دنیا میں انفرادی زندگی میں بھی دین کی حفاظت اور احکامِ اسلام کا نفاذ فوجی، سیاسی، اقتصادی، صنعتی، تجارتی اور زرعی طاقت پر موقوف و منحصر ہے اور قرآن بھی اس سلسلے میں فرماتا ہے:

واعد لهم ما استطعتم من قوة

جتنا تم سے ہو سکے کفار کے مقابلے میں طاقتور بنو۔

بہر حال دنیا کی طرف توجہ دینا اور تجرباتی علوم مثلاً سائنس و ٹیکنالوجی یا مالِ دنیا کو حاصل کرنا بذاتِ خود تو پسندیدہ ہے لیکن جب دین کی حفاظت ان چیزوں پر موقوف ہو تو وہ مطلوب قرار پاتا ہے بلکہ لازم اور واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حُبِّ دُنیا کا نہ ہونا ایک بہتر چیز ہے اور حتمی نہیں ہے بلکہ مسلّم ہے کہ مستحبات اور واجبات میں کوئی ٹکراؤ نہیں مثلاً نمازِ شب، مومن کو کھانا کھلانا، مستحب اذکار اور تحصیلِ علم کسی واجب کے ترک کا باعث بنیں تو ایسے مستحبات کو ترک کر دینا چاہیے حتیٰ کہ واجبات بھی باہم ٹکراؤ کی صورت میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ نیز اہم مہم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر نماز یا روزہ کا جان بچانے سے ٹکراؤ ہو جائے تو یقیناً جان بچانا واجب ہوگا اور نماز یا روزے کا اس وقت وجوب باقی نہ رہے گا۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان نسل کو دین و اخلاق کے ساتھ ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول، پیداواری کارخانوں کی تاسیس، صنعت و زراعت میں توسیع کا شوق دلایا جائے چاہے اس طرح بعض لوگ حُبِّ دُنیا میں گرفتار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

غرض دنیا و آخرت اصطلاحی اعتبار سے ایک اضافی (Relative) اور

نسبتی چیزیں ہیں ۔ بظاہر بہت سے کام جن کا تعلق آخرت سے نظر آتا ہے مثلاً تحصیلِ علم، درس و تدریس، وعظ و نصیحت، تصنیف و تالیف، اگر ان کا مقصد دنیاوی شہرت کا حصول ہو تو یہ کامِ دنیاوی شمار ہوں گے۔

اور بہت سے کام بظاہر دنیا کے نظر آتے ہیں مثلاً تجارت و ملازمت، صنعت و حرفت وغیرہ، اگر ان کا مقصد آخرت کا حصول ہو تو یہ کام آخرت ہی میں شمار ہوں گے۔ معیار فقط آدمی کی نیّت ہے۔

امام سجادؑ فرماتے ہیں کہ دنیا منہ پھیرے ہوئے جا رہی ہے۔ آخرت متوجہ ہو کر آ رہی ہے۔ پس ہر شخص پر لازم ہے کہ صاحبِ آخرت ہونے کی کوشش کرے اور دنیا سے دل اٹھا لے:

دُنیا سے گزرا ہوا دُنیا دار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوا خریدار نہیں ہوں

حُبِّ دُنیا کے سلسلے میں چند احادیث و آیات کی وضاحت

حدیث رسول ﷺ ہے :

کن فی الدنیا کانک غریب او عابری سبیل

دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی ہو یا مسافر جو راستہ طے کر رہا ہو
اور کہیں مقیم نہیں ہوا ہو ۔

نکتہ (۱) ..... کیونکہ مسافر کی دو قسمیں ہیں ایک جو سفر کر کے کہیں ٹھہر گیا ہو، دوسرا وہ مسافر جو برابر چلا آ رہا ہے۔ کہیں منٹ دو منٹ یا گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھہر گیا تو اس کو قیام نہیں کہتے۔ محاورے کے مطابق وقف کہیں گے اور جو مسافر دس

پانچ دن کسی جگہ ٹھہر جائے اس کو مقیم کہتے ہیں۔ محاورات میں بھی ان دو حالتوں میں فرق ہے تو اب اگر کسی سے کہیں کہ کیا آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے تو فوراً کہتا ہے کہ صاحب دنیا میں رہنا تھوڑی ہے۔ ایک دن ضرور مرنا ہے۔ مگر اصلاً انتظامات ایسے ہیں کہ گویا ہمیشہ یہیں رہیں گے۔

نکتہ (۲)...... رسولؐ اسلام فرماتے ہیں کہ دنیا سے ایسا برتاؤ اختیار کرو جیسے مسافر کرتا ہے جیسے مسافر سفر میں محض ضروریات پر اکتفا کرتا ہے۔ فضول اسباب ساتھ نہیں لیا کرتا ایسا تم بھی دنیا کے ساتھ عمل کرو کہ قدرِ ضرورت پر اکتفا کرو۔ luxuriesاور غیر ضروری آسائشوں کی فکر میں نہ پڑو پس نہ تو ترکِ دنیا کی تعلیم دی گئی ہے اور نہ انہماک فی الدنیا کی اجازت ہے۔ پس اختصار کی تعلیم ہے۔

نکتہ (۳)...... رسولؐ نے یہ بھی نہیں فرمایا: کن فی الدنیا غریباً (بالکل ہی مسافر بن کر رہو) کیونکہ اگر بالکل ہی مسافر بن جاتے تو بعض دفعہ دقت پیش آتی۔ مثلاً سارا سامان بیچ ڈالا اور مسافر کی طرح دو وقت کا کھانا رکھ لیا کیونکہ مسافر عادتاً اس سے زیادہ کھانا ساتھ نہیں رکھتا۔ رسولؐ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ کن فی الدنیا غریباً (مسافر بن کر رہو)

بلکہ کہا کہ کانک غریباً (مثل مسافر کے رہو) اور نہ ہی ترکِ اسباب کا حکم دیا بلکہ فقط اختصار کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ بے ضرورت ہی سامان جمع کرتے ہیں۔ گھروں میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جس سے کبھی بھی کام نہیں پڑتا اور یہ غیر ضروری چیزیں دل کو پریشان کرتی ہیں خصوصاً عورتوں کو اس

میں احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے کہ بازار میں جہاں سے گزرتی ہیں اکثر چیزوں کی طرف دیکھ کران کی رال ٹپکنے لگتی ہے چاہے اپنے پاس کتنا ہی زیور ہواور کتنے ہی کپڑے ہوں مگرنئی وضع اور نیا طرز دیکھ کران چیزوں سے فوراً دل اتر جاتا ہے اور دوسری بنوانے کی فکر ہو جاتی ہے۔

نکتہ (۴)......اس حدیث پر جو عامل ہوگا پھر وہ اس دنیا سے کسی سے لڑائی جھگڑے کی فکر ہی نہ کرے گا۔ درگزر سے کام لیا کرے گا کیونکہ مسافر کو اگر کوئی برا بھلا کہہ دے تو وہ اس کی وجہ سے اپنی منزل کھوٹی نہیں کرتا۔ اگر اسے دوسرا کوئی مسافر تکلیف پہنچادے تو تھانے جا کر رپورٹ نہیں لکھواتا کیونکہ جانتا ہے کہ اس کے لئے مجھے قیام کی ضرورت ہے اور مجھے اس کی فرصت نہیں۔

نکتہ (۵)......رسولؐ اسلام کی بلاغت دیکھئے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ (کانک مسافر) بلکہ فرمایا (کانک غریب) غریب کے اصل معنی وطن سے دور پردیس میں بے یارو مددگار کے ہیں۔ پس غریب فقط مسافر کو نہیں کہتے بلکہ غریب مسافر وہ ہے جو سفر میں بے یارو مددگار رہو۔

تو حدیث یہ نہیں ہے کہ دنیا میں محض مسافر کی طرح رہو۔ بہت سے مسافر بے یارو مددگار نہیں ہوتے اب یہی ہے کہ سفر میں وہ مسافر کسی سے نہیں لڑے گا جو بے یارو مددگار ہواور وہی لڑے گا جو کسی کو اپنا حمایتی سمجھتا ہو۔

نکتہ (۶)......اگر کوئی مسافر سفر میں سرائے یا ہوٹل میں قیام کرے اور اپنا سارا سرمایہ اس کی تزئین و آرائش میں لگا دے تو یہ کتنی بڑی حماقت ہوگی یعنی

اپنے کو مسافر سمجھنے والا اس سرائے یا ہوٹل کے ساتھ گھر کا سا معاملہ نہیں کرے گا۔

نکتہ (۷)...... مسافر کو سرائے یا ہوٹل میں خواہ کتنی ہی آسائشیں کیوں نہ دی جائیں اس کا دل مستقل طور پر وہاں نہیں لگتا۔ مومن کی شان بھی یہی ہے کہ دنیا میں اس کا جی نہ لگے اگر چہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام کیوں نہ ہو کیونکہ دل لگنے کی جگہ گھر ہے اور دنیا سرائے ہے۔ گھر نہیں ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ (الدنیا سجن المومن) کہ دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہے۔ دنیا کو جیل خانہ تکلیف کی وجہ سے نہیں فرمایا کیونکہ بعض مومنین کو دنیا میں ذرا تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اس لئے فرمایا ہے کہ جیل خانے میں کبھی جی نہیں لگا کرتا اگر چہ کیسا ہی عیش کیوں نہ ہو۔

نکتہ (۸)...... دنیا میں مسافر کی طرح رہنے والے دنیا کے ساز و سامان پر اترایا نہیں کرتے چنانچہ سفر میں کہیں اگر لیٹنے کے لئے بہترین بستر ملے تو کوئی مسافر اس پر نہیں اتراتا کیونکہ جانتا ہے کہ مانگے کی چیز ہے اور مجھ سے واپس لے لی جائے گی ایک ہماری حالت ہے کہ چار پیسے آجائیں تو اترانے لگتے ہیں۔

نکتہ (۹)...... مسافر سفر میں ہمیشہ منزلِ مقصود کو مدِ نظر رکھتا ہے اور ان تمام امور کو اختیار کرتا ہے جو جلد اس کو منزلِ مقصود تک پہنچادیں۔ چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ دورانِ سفر کھیل کود، تماشے یا دل بہلانے کی چیزوں میں ملوث ہو جائے چنانچہ جو باتیں اس کے سفر کو طول دیں، اس کو ناگوار گذرتی ہیں کبھی گاڑی خراب ہو جائے تو دوسری گاڑی کی کوشش کرتا ہے۔ ٹرین اگر لیٹ

ہو جائے تو اس کو سخت کوفت ہوتی ہے۔

نکتہ (۱۰)...... اگر کوئی مسافر جس کا سفر طویل ہو اور منزل دشوار ہو، وہ اگر اپنی گاڑی خراب کر دے اس امید میں کہ دوسری عمدہ گاڑی لے لوں گا اور پھر اس کا حشر کرے تو بتائیں کیا وہ منزل کی طرف اپنے قدم بڑھا سکتا ہے؟

یہی کیفیت ہماری ہے کہ دن رات گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور اپنی عمر کی سواری کے ہر قدم کو توڑ کر دوسری سواری کی ہوس میں مبتلا ہیں توبہ کرتے ہیں روزانہ توڑ دیتے ہیں اور پھر کسی وقت جو ٹوٹی پھوٹی عبادت کی توفیق ہو جائے اور کچھ نماز روزہ ادا کرتے ہیں تو اس پر چند گناہوں کو بوجھ اور لاد لیتے ہیں تو ہم اس مسافر کی طرح کوئی قدم بھی سفرِ آخرت کی طرف کیسے بڑھا سکتے ہیں؟

کیا اسطرح وہ شاہراہ آخرت پر کوئی قدم آگے بڑھا سکتا ہے؟ اگر وہ چلتا ہے تو بھی کولہو کے بیل کی طرح جو اپنے ایک ہی مرکز یعنی دنیا پر دن بھر چلتا رہتا ہے اور اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایک طویل مسافت طے کر لی ہے مگر درحقیقت وہ جس جگہ سے چلا تھا وہیں موجود ہے بلکہ گناہوں کے سبب شائد اور پیچھے چلا گیا۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے:

الدنیا دار من لا دار له ولها یجمع من لا عقل له

دنیا اس شخص کی ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور
اس کو وہی جمع کرے گا جس کے پاس عقل نہ ہو۔

نکتہ (۱۱)...... اگر مان بھی لیا جائے کہ دنیا گھر ہے لیکن یہ بھی بتایئے کہ گھر کس کو کہتے ہیں؟ گھر عرفاً اسی کو کہتے ہیں جس میں سے کوئی آپ کو نکال نہ

سکے۔ اپنا مال اسی کو کہا جاتا ہے جو دوسرا آپ سے لے نہ سکے۔ اگر واقعی یہ چیزیں اپنی ہیں یعنی مال، دولت، گھر، اولاد، یہ مملوک ہیں اور آپ مالک ہیں تو مملوک ہونے کی علامتیں ان میں پائی جانی چاہئیں۔ اگر دنیا آپ کا گھر نہیں تھا تو جب سرکاری حکم آتا ہے تو کیوں آپ کو قبر میں پھینک دیا جاتا ہے؟

ایک حدیث میں پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں: آدمی کہتا ہے کہ میرا مال ہے، میرا مال ہے۔ تیرا کیا ہے؟ مگر وہ جو تو نے کھالیا وہ فنا کر دیا، جو پہنا وہ پرانا کر دیا اور جو صدقہ دیا وہ آگے بھیج دیا۔ وہ بے شک تیرا ہے"۔

جب نہ اپنا مال ہے، نہ اپنے بچے ہیں، نہ اپنا گھر ہے۔ ہم سب لوگ دیکھا جائے تو مزدور ہیں۔ گاڑی کھینچ رہے ہیں جس میں بیوی بچے، مال و متاع لدا ہوا ہے۔ جب منزل پر پہنچ جائے گا تو الگ کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا مزدور، خادم اور بوجھ اٹھانے والا (حمال) مالک نہیں ہوا کرتا۔ پس جب ہم خادم ہیں تو مخدوم کیسے بن جائیں گے؟ جب رعایا ہیں تو حاکم کیسے ہو جائیں گے؟ مزدور ہیں تو مالک کیسے ہو جائیں گے؟ پالنے والا فقط پروردگار عالم ہے۔

نکتہ (۱۷)...... حدیث کا آخری ٹکڑا ہے **ولها يجمع من لا عقل له** (کہ دنیا کو وہی جمع کرے گا جس کے پاس عقل نہ ہو)

اس لئے پرائی چیزوں کو کوئی عاقل جمع نہیں کرتا اگر کوئی جمع کرے تو سب بے عقل کہیں گے۔

اصل میں دنیا نام لغیر اللہ کا ہے

یعنی خدا کے سوا کسی سے تعلق بڑھا کر، بکھیڑوں میں پڑ کر، معاملاتِ غیر

ضروری میں گھس کر اللہ سے غافل ہوجاتا ہے۔ پس مال، اولاد وغیرہ کے ساتھ اتنا تعلق جو خدا سے غافل کردے یہ وہ دنیا ہے جس کی مذمت آئی ہے۔

من کان یرید العاجلة عجّلنا له فیهامانشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنّم یصلٰها مذموماً مدحوراً۔ ومن اراد الأخرة وسعٰی لها سعیهاوهومومن فاولٰئک کان سعیهم مشکوراً

ترجمہ: جو کوئی عاجلہ (دنیا) کا ارادہ اور طلب کرے ہم اس کو دنیا ہی میں فی الحال جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور پھر اس کے لئے جہنم مقرر کرتے ہیں جس میں وہ برائی اور ذلت کے ساتھ داخل ہوگا اور جو لوگ آخرت کا ارادہ کریں اور اس کے لئے ایسی کوشش کریں جیسی اس کے لئے ہوا کرتی ہے جبکہ وہ مومن بھی ہوں تو ان لوگوں کی کوششوں کی قدر کی جائے گی۔

نکتہ (۱۳)...... آیت میں ہے کہ جو دنیا کا ارادہ کرے اس کو ہم جلدی اس جگہ جو چاہیں اور جس کیلئے چاہیں دے دیتے ہیں۔ اس میں قید پر غور کیجئے کہ طالبِ دنیا کو دنیا دینے کا پختہ وعدہ بھی نہیں فرمایا بلکہ قید لگائی کہ (مانشاءلمن نرید) کہ جتنا ہی چاہیں گے اور جس کے لئے چاہیں عطا کریں گے تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالبِ دنیا کا اپنی مراد کو پہنچنا لازم اور ضروری نہیں۔

نکتہ (۱۴)...... اور دنیا کے متعلق فرمایا ہے کہ من کان مرید العاجلہ۔ جو کوئی دنیا طلب کرتا ہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہتا ہے تب کچھ ملتا ہے اور آخرت کے بارے میں فرمایا (من اراد الآخرة) اس میں لفظ کان کے بغیر ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخروی فائدے حاصل کرنے کے لئے طلب میں مرنا کھپنا

نہیں پڑتا بلکہ کچھ ارادے کرنے ہی سے وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ارادہ اگرچہ خود کرنا ہوتا ہے لیکن اس میں اللہ کی طرف سے امداد ہوتی ہے۔

نکتہ (۱۵)...... طالبینِ دنیا کے متعلق فرمایا: ''ہم جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں تو اب طالبینِ آخرت کے لئے بھی فرمایا جائے کہ (اعطیناہ مایشاء) کہ جو کچھ وہ چاہیں گے وہی عطا کیا جائے گا۔ لیکن اگر یہ جملہ آجائے (مایشاء) کہ جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی بلکہ وہ گھٹ جاتا کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہمیں گمان بھی نہیں ہوسکتا تو وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں رکھا گیا بلکہ خدا اپنی رحمت اور اپنی خواہش سے زیادہ سے زیادہ عطا فرمائیں گے لہٰذا (مایشاء) نہ فرمانا ہی ہمارے لئے رحمت ہے۔

نکتہ (۱۶)...... آگے آیت میں فرمایا (**فاولٰئک کان سعیھم مشکوراً**) ان لوگوں کی کوششوں کی اللہ کے دربار میں قدر ہوگی۔ لہٰذا سوچئے جن کی کوششوں کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ نہ ملے گا کہ قدردانی بادشاہ اپنی حیثیت کے مطابق کیا کرتے ہیں۔

نکتہ (۱۷)...... (مشکورا) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے۔ عمل کو اس میں دخل نہیں۔ اس سے اپنے عمل پر ناز کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ اپنے عمل پر نازاں نہ ہو کہ جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہوگا ورنہ صرف عمل سے تم اس کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

پس مشکورا کہنے سے بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا مگر یہ

ہماری قدر دانی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ”جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہ جائے گا، ہاں رحمتِ الٰہی ہو جائے تو اور بات ہے۔“

آیت: وما هذه الحيوة الدنيا الا لهو ولعب وان دار الاخرة لهي الحيوان لو كان يعلمون

دنیا کی زندگی کھیل کود اور غفلت میں ڈالنے والی ہے اور آخرت کی زندگی اصل میں زندہ ہے۔ کاش تم جان لیتے۔

نکتہ (۱۸)...... فرمایا کہ دنیا لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں۔ لہو کہتے ہیں غفلت میں ڈالنے والی چیز اور لعب کہتے ہیں لغو اور عبث چیز کو کھیل کود کو، تو معلوم یہ ہوا کہ دنیا میں دو صفتیں ہیں: ایک صفت ہے عبث ہونے کی، دوسری صفت ہے غافل کر دینے والی۔

اس میں ایک مثال کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کا گھر ایسا گھر ہے جیسا بچے کھیل میں بنایا کرتے ہیں اور اپنی بے وقوفی سے اس ہی کو گھر سمجھتے ہیں چنانچہ اگر کوئی اس کو گرا دے تو روتے چلاتے ہیں کہ ہمارا گھر ڈھا دیا۔ لوگ ان بچوں پر ہنستے ہیں کہ کس کو گھر سمجھتے ہیں؟ ایسے ہی اہل اللہ ہم پر ہنستے ہیں کہ یہ دنیا کے ساتھ کیسا دل لگاتے ہیں اور جیسے بچے اپنے باپ کو بیوقوف سمجھتے ہیں کہ اس نے ہمارا گھر گرا دیا ایسے ہی ہم لوگ آخرت اور علماء کو بے وقوف سمجھتے ہیں کہ ہم سے دنیا چھڑانا چاہتے ہیں۔ ان کو ضروریاتِ زمانہ کی کوئی خبر نہیں، جبکہ ان کو سب خبر ہے جن ضروریاتِ زمانہ کو ہم جانتے ہیں ان سے وہ بے خبر نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ان

کو اُخروی ضروریات کی بھی خبر ہے جس کی آپ کو خبر نہیں، اس لئے وہ آپ پر ہنستے ہیں ۔اسی کے لئے مولانا روم فرماتے ہیں: ''ساری مخلوق نابالغ بچے ہیں جو نفسانی خواہشات سے بچ گیا البتہ وہ بالغ ہے''۔

نکتہ(۱۹)......آگے فرماتے ہیں کہ **ان دار الآخرہ لھی الحیوان** زندہ رہنے والی چیز تو دارِ آخرت ہے۔

کیونکہ لہو ولعب اپنے نتیجہ کے اعتبار سے مردہ ہیں اور آخرت زندہ یوں ہے کہ اس ثمرات باقی اور زندہ رہنے والے ہیں ۔تو پھر آخر زندہ فوائد کو چھوڑ کر مُردہ فوائد کو کیا کریں؟ کارآمد چیز کو چھوڑ کر بے کار کے پیچھے پڑنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

نکتہ(۲۰)......**(لو کان یعلمون)** کہ کاش یہ لوگ اپنے دینی فوائد کا احساس کرتے اور دنیا کے نقصانات کو جان لیتے ۔یہاں حرف (لو) استعمال کیا گیا ہے جو تمنا کے واسطے بھی آتا ہے تو اس سے انتہائی درجے کی شفقت و رحمت پتا چلتی ہے کہ امر قابل تمنا ہے جیسا کہ ایک شفیق باپ یہ کہتا ہے کہ کاش میرا بیٹا پڑھ لکھ جاتا حالانکہ اس کے پڑھنے سے باپ کو کچھ نفع نہیں مگر مقصود اس کا یہ ہے کہ میرے بیٹے کو یہ احساس ہو کہ پڑھنا بھی کوئی قابلِ تمنا چیز ہے۔

نکتہ(۲۱)......**یعلمون** لفظ آیت کے آخر میں آیا ہے۔اس میں بھی ایک دقیق اور لطیف اشارہ ہے کہ باوجود اس کے تم اس دُنیا میں اتنے منہمک ہو تب بھی دُنیا کی حقیقت سے بالکل بے بہرہ اور ناواقف ہو۔یعنی دین سے تو کورے تھے ہی دُنیا سے بھی جاہل ہو اسی لئے دیگر آیات میں آخرت کے ساتھ

ساتھ دنیا کی بھی حقیقت سمجھنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ

لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرہ

تم دنیاوآخرت دونوں کے متعلق تفکر کیا کرو

یعنی دیکھو کہ تم کیسی مفید اور نفع والی شئے سے غافل ہو کر ایک عبث شئے کے پیچھے سرگرداں ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ترجیح دنیا علی الآخرۃ کے مرض میں مبتلا ہو۔

آیت: **بل توثرون الحیواۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقیٰ**

بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت

اس سے بہترین ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

نکتہ (۲۲)......اس آیت میں دو دفعہ اسم تفضیل superlative degree استعمال کی گئی ہے۔ پہلا لفظ خیر ہے جو اس تفصیل آخرت دنیا سے بدرجا بہتر ہے اور بہت بہتر ہے دوسرا لفظ ابقیٰ یہ بھی اسم تفضیل ہے کہ آخرت دنیا کی نسبت پائیدار بھی ہے مگر تم پھر بھی دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہو۔

نکتہ (۲۳)......آیت میں لفظ (**بل توثرون**) آیا ہے جو ایثار سے مشتق ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے آتا ہے۔ یہ نہیں کہ بل تطلبون یا بل تبتغون بلکہ فرمایا (بل توثرون) اس سے معلوم ہوا کہ مطلق طلب دنیا پر شکایت نہیں بلکہ شکایت اس پر ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے۔

یعنی اگر کوئی شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے بلکہ دونوں کے ٹکرانے کے موقع پر آخرت ہی کو ترجیح دے لیکن اس کے ساتھ دنیا کمانے میں بھی مشغول رہے تو اس کی مذمت نہیں ہے اس میں ان زاہدانِ خشک کی بھی اصلاح ہے

جو مُطلق طلبِ دنیا کو مذموم سمجھتے ہیں۔

نکتہ (۱۴۴)......والاخرة خير و ابقى 'میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تم دنیا کو اس لئے مقدم کرتے ہو کہ اس کے فائدے قریب اور جلد ملنے والے اور آخرت کے فائدے اُدھار ہیں۔ حالانکہ کسی نفع کا جلدی ملنا اس کو ترجیح کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر چہ دنیا میں یہ صفت ہے کہ وہ عاجل (جلدی ملنے والی) ہے مگر آخرت میں اس کے مقابلے میں دو صفتیں ہیں۔ ایک خیریت، دوسری بقا یعنی آخرت دنیا سے عمدہ بھی ہے، کثیر اور پائدار رہنے والی بھی ہے۔ اور ان دونوں صفتوں میں سے ہر صفت ایسی ہے کہ اس کے مقابل جلدی ملنے والی ناپائدار اور غیر عمدہ چیز کو کوئی ترجیح نہیں دے گا۔

کیونکہ اگر (عاجل) جلد ملنے والی قابل ترجیح ہو تو پھر تجارت کبھی نہیں ہو سکے کیونکہ اس میں سرمایہ عاجلہ کو لگانا پڑتا ہے اور زائد ملنے والا نفع بہت بعد میں ملتا ہے کیونکہ تمام عقلاء اسی وجہ سے تجارت کو موقوف نہیں کرتے ہیں کہ اس کا نفع بعد میں حاصل ہوتا ہے اور سرمایہ تو اس وقت موجود ہے بلکہ خوشی خوشی سرمایہ کو تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ محض اس اُمید پر کہ آئندہ نفع زائد ملے گا تو معلوم ہوا کہ زیادتی و کثرت کے مقابلے میں جلد ملنے والے نفع کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ دوسری صفتِ آخر یہ ہے کہ وہ ابقی یعنی پائدار ہے۔ اور پائداری بھی ایسی صفت ہے جس کے مقابلے میں جلدی ملنے والی ناپائدار کوئی چیز نہیں ہے۔

علاماتِ حُبِّ دُنیا

علامت (۱)......

جب بھی تذکرہ کرتے ہیں تو صرف دنیا کا

حتیٰ کہ اگر سفر میں بھی ہوں کہ جو بے فکری اور فرحت کا موقع ہے تو بھی صرف دنیا ہی کے متعلق گفتگو ہوتی ہے۔ مرد ہوں تو وہی سیاست کے متعلق گفتگو، عورتیں ہیں تو وہی کپڑے زیورات اور اس طرح کی چیزوں کے متعلق بات چیت۔ ایک قاعدہ بھی ہے کہ

من احب شیأ اکثر من ذکرہ

(جو شخص جس شئے سے زیادہ محبت کرتا ہے اس کا تذکرہ زیادہ کرتا ہے)

اور جس چیز سے کوئی دلچسپی نہ ہو اس کا تذکرہ کرنا پسند نہیں کرتا آخرت کے متعلق گفتگو کتنی محفلوں میں ہوتے آپ نے دیکھی ہے؟

علامت (۲)......

وقت کا فضول ضائع کرنا بھی حُبِّ دُنیا کی علامت ہے ہر وقت ہاؤ ہُو ہنسی اور دل لگی میں وقت گزارا جاتا ہے۔ اوّل تو دنیا کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی اور اگر مل بھی جائے تو آخرت کے متعلق سوچنے کے بجائے دوست کے پاس جا کر باتیں کریں گے وقت کٹے گا، طبیعت بہلے گی۔ پس وہاں جا کر خرافات میں وقتِ عزیز کو گزار دیتے ہیں۔ اس طرح کے دوست حقیقت میں دشمن ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی آپ کا روپیہ چُرا لے تو اس حرکت پر آپ کو کتنا افسوس ہوگا۔ اس طرح یہ دوست ہیں کہ جو آپ کے بیش قیمت وقت کو جو لاکھوں روپے سے زیادہ قیمتی ہے، لوٹ رہے ہیں جبکہ یہ وقت اتنا قیمتی ہے کہ

جس وقت حضرت عزرائیلؑ آجائیں گے، روح قبض کرنے کے لئے تو ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملے گی۔

اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعةً ولا يستقدمون

جب ان کا وقت آپہنچا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

علامت (۳)......

حبِّ دنیا سے دل سخت ہوتا ہے پھر نصیحت اثر نہیں کرتی

اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیاوی خوشیوں کی جتنی کثرت انسان کے دل میں ہوگی اتنا ہی اس کا دل سخت ہوگا شہوات وخواہشاتِ نفس جس قدر زیادہ ہوں گی اتنا ہی دل سخت سے سخت ہوتا چلا جائے گا۔

كلا ان الانسان ليطغى ان راه استغنىٰ

(ہرگز نہیں یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ اپنے کو غنی دیکھتا ہے)

اگر دل میں سختی آجائے تو سینکڑوں نصیحتیں بھی انسان کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں۔

علامت (۴)......

ہر وقت دنیا ہی کی فکر دماغ میں سمائی رہتی ہے

اکثر طالبِ دنیا رات رات بھر جاگتا ہے۔ اس کے لئے کام کرتا ہے اور نماز فجر کے وقت سو جاتا ہے۔ دنیاوی کاموں کے لئے دل کھول کر سرمایہ کاری کرتا ہے۔ آخرت کے لئے خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ دنیاوی معاملات میں انتہائی چستی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن عبادات واحکامِ الٰہی کے معاملات میں سست اور کاہل ہو جاتا ہے۔

علامت (۵)......

کنجوسی برتنا اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنا

سورۂ توبہ آیت ۳۵ میں ارشاد ہے: وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادو۔ جس دن اس مال کو جہنم میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی۔ (اور کہا جائے گا) یہ وہی مال ہے جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے۔ پس اس کا مزہ چکھو۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: ''اے ابن آدم! جو کچھ تو نے اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل کیا ہے (وہ تیرا نہیں)۔ اس کا تُو کسی اور کے لئے امانتدار ہے۔

علامت (۶)......

دنیا کو آخرت پر فوقیت دینا

ارشادِ پروردگار ہے: (اے رسولؐ) کہہ دو اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے (پوتے) تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے رشتہ دار، تمہارے جمع کیے ہوئے اموال تمہاری تجارت جس میں گھاٹے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب چیزیں) تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور خدا کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک کہ عذاب خدا تم تک آپہنچے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(سورۂ توبہ آیت ۲۴)

علامت (۷)......

آخرت کے لئے تگ ودو کرتا نظر نہیں آتا

فرض کریں کہ ایک آدمی باغ خریدنا چاہتا ہے اس کے لئے کس قدر دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ہزاروں زحمتیں برداشت کرتا ہے۔ دنیا کے اس فانی باغ کے لئے جبکہ جنت کے لئے ایک فیصد بھی جدوجہد نہیں کرتا جبکہ کرنے کا وقت ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع ہے تو اگر کُھلّے پیسے ہوں گے تو دے گا ورنہ انفاق سے پرہیز کرے گا۔

اگر دنیا ہی دنیا ہو تو پوری کائنات نامعقول قرار پائے گی۔ آدمی اس لئے پیٹ بھرے کہ خالی کرنا ہے اور اس لئے خالی کرے کہ دوبارہ بھرنا ہے تو یہ نامعقولیت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ پس تخلیق کا مقصد کچھ اور ہے اگر یہی دنیا مقصود ہو تو انسان کی شان کے خلاف ہے۔

علامت (۸)......

اگر اسلام پر عمل کرتا بھی ہے تو دنیاوی ضرورتوں کے لئے

یقیناً آئمہؑ یا رسولؐ کا توسّل دنیاوی ضرورتوں میں بھی اثر رکھتا ہے لیکن ہم نے کب اُخروی حاجات کے لئے انہیں پکارا ہے گناہوں سے بچنے کے لئے کب ان کا توسّل اختیار کیا ہے۔ زیارتِ عاشورہ پڑھتے بھی ہیں تو اپنے دنیاوی مقصد کے لئے۔ حدیثِ کساء کی تلاوت ہے تو فقط روٹی کپڑے کی حاجت کے لئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ السلام علیکم یا اباعبداللہ کہا جاتا ہے زبان سے اور دل سے مال و دولت اور خواہشاتِ دنیا کو سلام کیا جاتا ہے۔

علامت (۹)......

ہر وقت زیادہ سے زیادہ کی خواہش (لالچ) میں مبتلا رہتا ہے

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''جو چیز مومن کے دل سے ایمان کو نکال دیتی ہے وہ (لالچ) ہے''۔

اسی کے لئے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: دنیادار حریص کی آنکھ کو یا تو قناعت بھر سکتی ہے یا قبر کی مٹی۔

علامت (۱۰)......

اُمورِ دنیا میں فضول خرچی سے کام لیتا ہے

جبکہ سورۂ انعام میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے کہ: ''فضول خرچی نہ کرو کہ خدا فضول خرچی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا''۔

اسراف (فضول خرچی) کی ضرورت موقع پر اعتدال سے زائد خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ بلا ضرورت نامعقول اخراجات میں خرچ کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔ اس کی مثالیں ہمارے یہاں شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں دیکھنے میں آتی ہیں۔

علامت (۱۱)......

دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن رہنا

سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ: ''یقیناً وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے وہ دنیا کی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔ وہ لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں

یہ وہی ہیں جو اپنے اعمال کی بناء پر جو وہ کرتے رہے جہنم میں آ جائیں گے''۔

علامت (۱۲)......

فرائض وواجبات کے ترک پر حبِ دُنیا اُکساتی ہے

فرائض کو انسان اپنی خواہشات کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے لگتا ہے اور جس طرح بھی ہوان کو کچل کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ حالانکہ شرعی عبادات وواجبات کا سب سے اہم راز ہی یہی ہے کہ بدن اور اس کی طبعی قوتوں کو روح کا تابع کر دیا جائے اس طرح کہ روح جس طرح کا کام بدن سے لینا چاہے لے، جس چیز سے روکنا چاہے روک دے اور یہ طاقتیں اس حد تک مسخر ہو جائیں کہ بغیر کسی تکلیف و مشقت کے جس کام کو کرنا چاہیں کریں۔ اور یہ جسمانی قوتیں مثلِ ملائکہ ہو جاتی ہیں۔ یعنی جس طرح ملائکہ نافرمانی نہیں کرتے اور خدا جو حکم دے اطاعت کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کو کوئی زحمت یا تکلیف نہیں ہوتی۔ بس اسی طرح روح ان جسمانی قوتوں کو تسخیر کر لیتی ہے کہ وہ خوشی خوشی اطاعتِ خدا اختیار کریں اور جب حبِ دُنیا دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ انسان کو اپنے واجبات کی انجام دہی سے روک دیتی ہے۔

علامت (۱۳)......

ڈرتا ہے اس کی اولاد اس کے بعد فقیر و غریب نہ ہو جائے

پس ہر وقت ان کی زندگی سنوارنے کے لئے اپنی آخرت کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور اپنی عمر کو دوسروں کے منافع کے لئے خرچ کر دیتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو اولاد کے لئے ایثار سے کام لیتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ایثار کی اجازت

دنیاوی منافع میں ہے یعنی اگر ہماری کوئی دنیاوی منفعت فوت ہو کر دوسرے کا فائدہ ہو جائے تو اس کو ایثار کہیں گے اور اگر ہمارا دین تباہ ہو کر دوسروں کو دنیاوی نفع پہنچے تو اسے ایثار نہیں کہیں گے ۔ اسی وجہ سے حکایت میں بیان ہوا ہے کہ مصر کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل کی روانی پر تھا ایک سال اس میں روانی نہیں آئی تو لوگ فرعون کے پاس آئے کہ آپ ہمارے خدا ہیں آخر آپ کی یہ خدائی کب کام آئے گی؟ تو اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ جاؤ کل دریائے نیل میں جوش و روانی آجائے گی رات کو فرعون پروردگار عالم سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اگرچہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری کوئی درخواست قبول ہو لیکن میری ہمت تو دیکھیے میں نے آپ کو چھوڑا، جنت کو چھوڑا، ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کو گوارہ کیا ان سب کے بدلے میں صرف ایک التجا کرتا ہوں کہ میری ایک دعا قبول فرمالیجئے کہ جب میں دریائے نیل کو حکم دوں تو اس میں جوش و روانی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس کی دعا قبول ہوئی اور ایسا ہی ہوا تو مومن کو چاہئے کہ فرعون جیسا طرز عمل زندگی میں اختیار نہ کرے اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد نہ کرے۔

علامت (۱۴)......

ہر وقت پیٹ اور عورت کی فکر میں مبتلا رہتا ہے

امام صادقؑ فرماتے ہیں: ”انسان کی خدا سے دور ترین حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ سوائے شکم پری اور عورت کے کسی اور چیز کو ہدف اور غرض قرار نہیں دیتا“۔

علامت (۱۵)......

گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔

علامت (۱۶)......

توبہ سے غافل رہتا ہے

علامت (۱۷)......

آج کا کام کل پر چھوڑ کر نیکیوں میں تاخیر کرتا ہے

مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: ''اپنی عمر کو معلوم کر کے گزرے ہوئے زمانے کا عوض ادا کرو۔ آج کا کام کل پر نہ رکھو جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی طرح ہلاکت کو پہنچے کہ وہ اپنی زندگی کو آرزوؤں میں صرف کرتے رہے۔ تاخیر سے کام لیا یہاں تک کہ یکایک حکمِ خدا آ پہنچا اور کوچ کا وقت آ گیا وہ بسترِ غفلت پر سوئے ہوئے تھے۔ پھر یکایک وہ خوشنما محلوں سے قبر کی تاریکی میں لے جائے گئے۔ نجات کا دروازہ ان پر بند کر دیا گیا۔ ان کے بیوی بچے ان سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کا مال و اسباب سب تقسیم کر لیا گیا''۔

علامت (۱۸)......

زندگی کی آسائشوں (Luxuries) کے حصول میں منہمک ہونے کی وجہ سے آخرت سے غافل ہو جاتا ہے

روایت میں ہے کہ جب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ بصرہ میں جنگ جمل کی کامیابی کے بعد وہاں تشریف فرما تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ علاء ابن زیاد جو بصرہ کے معززین میں سے تھے اور امیر المومنینؑ کے مخلص اور سچے دوست تھے، بیمار ہو گئے تو حضرتؑ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے وہاں جا کر دیکھا

کہ انہوں نے ایک بڑا عالیشان گھر بنایا تھا اور اس میں تمام آسائشیں موجود تھیں۔

انہیں دیکھ کر مولاؑ نے فرمایا: علاء تم نے کیا بنا ڈالا ہے دو روزہ دنیا اور مختصر سی حیات کے لئے، تم اس گھر کے محتاج نہیں ہو۔ یعنی ساٹھ ستر سال کی مختصر زندگی کے لئے اس قدر وسیع و عریض محل کی ضرورت نہیں۔ تمہیں حیاتِ ابدی کے لئے وسیع و عریض گھر کی ضرورت ہے، جنت میں بڑی احتیاج ہوگی کیونکہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

رسولؐ خدا سے مروی ہے: ''بعض لوگ آخرت میں اتنے چھوٹے اور تنگ مکان میں ہوں گے جتنا کیل کو دیوار میں ٹھونکنے سے سوراخ ہوتا ہے۔

جنت میں اپنے گھر کی وسعت فقط صدقہ و خیرات ہی کے ذریعے بڑھائی جاسکتی ہے نفس کو کچلنا پڑتا ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔

علامت (۱۹)......

آخرت کے کمتر درجے پر قناعت

حُبِّ دُنیا بھی ایک نشہ ہے اور اس میں روز بروز ترقی ہوتی رہتی ہے جبکہ آخرت کا یہ حال ہے کہ ہر شخص اس کیلئے قلیل درجہ پر ہی قانع ہے اگر کسی کو ترقی آخرت کی نصیحت کی جائے تو کہتا ہے کہ نماز روزہ تو کرتے ہیں اور کیا کریں؟

بعض تو آخرت کی طرف اسی وقت متوجہ ہوتے ہیں جب تک دنیا سلامت رہے اور اگر دنیا کا نقصان کسی وجہ سے ہوگیا تو وہ آخرت ہی کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ گویا خدا کی عبادت و اطاعت محض اس خوشامد سے کرتے ہیں کہ وہ خدا ان سے دنیا سنوارتا ہے اور اگر دین پر عمل کرتے ہوئے اتفاقاً دنیا بگڑ جائے تو یہ خدا سے بھی بگڑ جاتے ہیں۔

علامت (۶۰)......

امورِ آخرت سے بے خبری رہتی ہے

دنیاوی امور میں انتہائی باریک بینی کی حد تک علم ہوتا ہے۔ انسان کی ذہنی سطح اور علم صرف مادی دنیا کی رنگینیوں تک ہی محدود ہوگئی ہے بزرگوں کو پیدا ہوئے ۶۰، ۷۰ سال ہوگئے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوئے ہیں اور آخرت کی الف، ب سے بھی واقف نہیں جبکہ آخرت کا ایک روز پچاس ہزار سال کے برابر ہے جہاں اتنا زیادہ وقت گزارنا ہے، وہاں کی تفصیلات کا علم نہیں۔ جنت، دوزخ، قیامت کو گویا قصہ کہانی سمجھ لیا گیا ہے۔

دنیاوی معاملات میں ذہین اور زیرک ہوتا لیکن فقہی احکام کو سمجھنے میں کُند ذہن اور غبی بن جاتا ہے۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں کنجوسی اور شہوت رانی و دنیاوی امور پر بے حساب دولت لٹاتا ہے۔ مسجد سے دوری اختیار کرتا ہے اور رقص وسُرور کی محفلوں کی زینت بنتا ہے۔ بہرحال انسان جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ اگر کوئی شخص انگور بوئے اور تربوز کی توقع رکھے تو عقل کے خلاف ہے۔ شادی وغم کی تقریبات میں ہزاروں روپیہ محض نام کی خاطر خرچ کیے جاتے ہیں حتیٰ کہ لوگ اپنی زمین جائداد تک بیچ ڈال دیتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ نے کیا حاصل کیا؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف نام خریدا جو اگر بیچا جائے تو دو کوڑی میں بھی نہیں بک سکتا۔

علامت (۶۱)......

موت کا خوف اور موت کو دور سمجھنا

لوگوں کو موت کا خیال اگر ہوتا تو بھی موجودہ حالت یا قریب میں نہیں

بلکہ زمانۂ مستقبل بعید میں ہوتا ہے۔

بچے گمان کرتے ہیں ابھی جوان ہوں گے پھر بوڑھے ہوں گے پھر موت آئے گی ایسے ہی جوان خیال کرتے ہیں ابھی تو بوڑھا ہونا باقی ہے۔ ایسے ہی بوڑھے خیال کرتے ہیں کہ ابھی بڑھاپا آیا ہے ابتدائے بڑھاپا ہے۔ اس کی انتہا بھی ہوگی پھر کہیں موت آئے گی۔ غرض ہر شخص موت کو اپنے لئے زمانۂ مستقبل بعید میں سمجھتا ہے۔ حکایت میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک جوان شخص کی ملاقات ایک بوڑھے شخص سے ہوئی جو کہ اپنی عمر طبعی گزار چکے تھے۔ جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو وہ بولے: دیکھئے نجانے اب آپ سے کب ملاقات ہو، ہم تو عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں۔ چراغِ سحری ہیں اور ہر وقت منتظرِ موت ہیں تو اس جوان نے کہا:

''آپ تو چراغِ سحری ہیں کچھ عمر تو پائی ہے لیکن ہم تو چراغِ شام ہیں ابھی روشن ہوئے ہیں بلکہ اچھی طرح روشن بھی نہیں ہو پائے۔ اگر ابھی ایک ہلکا سا جھونکا لگ گیا تو گل، بخلاف آپ کے۔ آپ چراغِ سحری ہیں، آپ پر تو رات سلامتی سے گزر گئی ہے، اب صبح ہی کو گل ہونے کا احتمال ہے۔ ہمیں تو رات بھی صحیح وسالم گزر جانے میں شک ہے۔ لہٰذا ہماری حالت آپ سے زیادہ قابلِ یاس ہے اور آئندہ ملاقات کی اُمید میں ہمیں آپ سے کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہم اور آپ دونوں اس میں شریک ہیں۔

غرض بوڑھے اور جوان سب کے سب مثلِ چراغ ہی کے ہیں مگر کوئی چراغِ شام ہے اور کوئی چراغِ سحری۔ خطرے سے کوئی بھی خالی نہیں۔

ایک شخص نے پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ مجھے موت سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا ''کیا تیرے پاس دنیاوی مال

واسباب ہے" اس نے عرض کیا: ہاں وہ تو ہے۔ تو آپ نے فرمایا تو پھر اس کو آگے روانہ کر دو۔ یعنی صدقہ دے دو تا کہ وہ مال، آخرت میں پہنچتا رہے کیونکہ آدمی کا دل اس کے مال کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے۔ اگر وہ مال دنیا ہی میں رہ جائے تو وہ خود بھی دنیا ہی میں رہنا چاہتا ہے۔

اور اگر پہلے ہی آخرت کے لئے روانہ کر دے تو پھر خود بھی اس کے پیچھے جانے میں خوف نہیں ہوتا موت کی سب سے بڑی سختی یہی مال دنیا سے دوری ہے۔ اسلام کے بزرگ ترین محقق سید میر باقر داماد اپنی بے نظیر کتاب (قبسات) میں فرماتے ہیں:

لا تخافنک الموت فان مرارته فی خوفه

موت سے نہ ڈرو اس لئے کہ موت کی تلخی اس سے ڈرنے ہی میں ہے۔

علامت (۲۲)......

شیخ چلی کی طرح لمبی لمبی امیدیں باندھتا ہے

یہ آسائش حاصل ہو جائے وہ حاصل ہو جائے۔ ہم کو شیخ چلی کے خیالات پر ہنسی آتی ہے لیکن غور کیا جائے تو ہم میں سے ہر ایک شیخ چلی ہے رات دن مال و دولت بڑھانے کی دُھن میں لگے ہوتے ہیں کبھی شادی کی دُھن ہے شادی کے بعد یہ ہے کہ اولاد ہو جائے۔ اولاد ہوئی تو ان کی شادی اور پھر ان کی اولاد کی فکر اسی میں موت آجاتی ہے اور تمنا باقی رہ جاتی ہے۔

حُبِّ دُنیا کا علاج

ایک اہم بات

اگر چہ ہمارے اندر مختلف امراضِ روحانی پائے جاتے ہیں لیکن رسولِ خدا کے ارشاد کے مطابق تمام امراض کی وجہ ایک چیز ہے:

حبّ دنیا رأس کل خطیئته

دنیا کی محبت تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔

اس کا علاج بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اصلی مرض کا مکمل علاج معلوم ہو جائے گا کیونکہ اصلی مرض بقیہ امراض کا سبب ہوا کرتا ہے۔

دوسری اہم بات

حبِّ دُنیا کا مرض فقط تمنا کرنے سے نہیں جاتا اس کے لئے فکری اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے جو آگے چل کر بیان ہوں گے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کا بیان ہے: ''میں اپنے نفس کو ریاضت کے ذریعے آراستہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہوں تا کہ یہ قیامت کے دن محشر کی ہولناکیوں سے امان میں رہے۔''

تیسری اہم بات

مندرجہ ذیل طریقوں پر ہمیشہ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دو دفعہ عمل کر لینے سے یہ مرض ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ کوئی عادت ایک دم سے نہیں بن جاتی، بار بار کے اقوال وافعال سے بنتی ہے۔ اسی طرح عادت کا بگڑنا بھی

ایک دو دفعہ کے قول و فعل سے نہیں ہوتا۔ اگر ایک نیک اور سلجھا ہوا آدمی ایک دفعہ زبان سے کوئی نامناسب بات کہے تو اس کا باطن پر اثر تو پڑتا ہے لیکن اتنا نہیں کہ عادت ہی بگڑ جائے۔ بار بار کرنے سے اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک بگڑا ہوا آدمی ایک دو دفعہ سلجھے ہوئے انداز میں بات کرلے یا ایک دو دفعہ لوگوں سے مناسب سلوک کرلے تو اس سے بگڑی ہوئی عادت ختم نہیں ہو جاتی۔ بگاڑ جتنا زیادہ ہوتا ہے، اسے سنوارنے کے لئے اتنی ہی محنت اور اتنا ہی زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح سلجھاؤ جتنا زیادہ ہوتا ہے اس کے بگڑنے میں اتنی ہی دیر لگتی ہے۔

چوتھی اہم بات

اپنے ذہنوں کو ٹٹول کر دیکھئے کہ اس کو کوئی شخص مرض سمجھتا ہے؟ غور وفکر سے معلوم ہوگا کہ کوئی بھی اس کو مرض نہیں سمجھتا اور اگر کوئی اسے مرض سمجھتا بھی ہے تو معمولی سمجھتا ہے اور جس مرض کو معمولی سمجھ لیا جائے وہ نہایت خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس کے علاج سے غفلت ہو جاتی ہے اور پھر وہی مرض اندر ہی اندر جڑ پکڑ لیتا ہے اور پھر آخر میں علاج سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سخت سے سخت مرض کا علاج بھی اہتمام سے کیا جائے تو وہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں بھی ہے کہ "خدا نے ہر مرض کے لئے دوا پیدا کی ہے۔" اس کا اطلاق جسمانی امراض پر بھی ہوتا ہے اور امراضِ روحانی پر بھی۔ بس کمرِ ہمت کسنے کی دیر ہے۔

پانچویں اہم بات

اس مرض کو نکالنے کے لئے عملی اقدامات کرنے ہوں گے فقط بیٹھ کر آنسو بہا لینا کافی نہیں۔ گویا خدا کی نہر میں پانی کم ہو گیا تھا بس دو آنسو بہائے اور سارے گناہ معاف ہو گئے وہ سب کا کفارہ ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ آنسو بہانے میں کوئی دقت نہیں، کچھ کرنا نہیں پڑتا اس لئے رونا اختیار کر لیا۔ جیسا کہ حکایت میں ہے کہ ایک شخص کے ساتھ سفر میں کتا تھا، وہ راستے میں مرنے لگا تو آدمی رونے لگا۔ ایک مسافر نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہا: یہ کتا اتنے دنوں سے میرے ساتھ ہے اور آج مر رہا ہے۔ اس واسطے رو رہا ہوں۔ پوچھا اس کو کیا مرض ہے؟ کہا کہ بھوک سے مر رہا ہے۔ مسافر نے دیکھا کہ ایک طرف ایک پوٹلی بندھی رکھی ہے، پوچھا اس میں کیا ہے؟ کہا روٹی ہے۔ مسافر نے کہا تو پھر کتے کو کیوں نہیں کھلا دیتے جس سے تجھ کو اتنی محبت ہے۔ تو کہنے لگا، ابھی ایسی محبت بھی نہیں کہ رقم کی چیز کھلا دوں اور رونے کا کیا ہے؟ مفت کے آنسو ہی تو ہیں دو گھڑی بہا لوں گا۔

بس یہی حال ہمارا ہے کہ ایسے موقعوں پر ہم نے فقط رونا سیکھا ہے جس میں کچھ خرچ نہیں۔ اگر کوئی نصیحت بھی کرتا ہے تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ توفیق دے گا تو آخرت کے لئے کچھ کریں گے۔ گویا اس میں بھی نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کی خطا ہے ان کی کوئی خطا نہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔ دنیا کے دھندوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے؟ گویا اس میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی خطا ہے اور جو زیادہ خیال آیا تو بزرگوں اور علماء سے دعا کرنے کی درخواست کی

جاتی ہے۔ یہی حال ہماری عورتوں اور خصوصاً بوڑھی عورتوں کا ہے دین کا کوئی کام ہوتو سب سے کم ہمت ۔ بیٹے اور بہو کے درمیان ناچاقی کا مسئلہ پیدا کرنا ہو یا گھروں میں دیگر لڑائی جھگڑے، ان میں سب سے آگے۔ ہم ان کو کم ہمت سمجھتے اگر یہ دنیا کے کاموں میں بھی کم ہمت ہوتیں۔

چھٹی اہم بات

اگر بعض دفعہ ان طریقوں پر عمل کرنے میں ناکامی ہو تب بھی اس کو ناکامی نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اگر کوئی شخص آخرت کا اہتمام کرے اور وہ حاصل بھی نہ ہو یا پورا نہ بھی ہو، تب بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔

مثلاً اگر بزرگوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی نماز کی قرأت تو درست کر لیجیے تو جواب میں کہتے ہیں اب کونسا ہماری تعلیم کا وقت ہے؟ ہم بوڑھے طوطے کیا پڑھیں گے؟ یہ جواب بالکل غلط ہے۔ آپ کا کام صرف کوشش کرنا ہے چاہے صحیح ہو یا نہ ہو۔ اگر کوشش میں لگ جائیں اور پھر بھی کامیابی کا درجہ حاصل نہ ہو تب بھی ثواب ملے گا۔ ایک ثواب محنت کا، ایک ناکامی کے رنج کا۔ آج کل مومنین میں یہ بات بہت عام ہے، کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم نے کرنا چاہا مگر نہیں ہوا جبکہ حقیقتاً ان لوگوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا صرف تمنا ہی تمنا کی ہے۔ ارادہ اس کا نام ہے کہ جس اختیاری کام کا ہم خیال کرتے ہیں اس کی دھن میں لگ جائیں اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کر دی جائے۔

اس لئے جو شخص یہ کہے کہ میں نے ارادہ کیا اور پھر بھی کام نہ ہوا، قابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ پختہ ارادہ کے بعد عمل ہو ہی جایا کرتا ہے، کبھی نہ ہونا اتفاقی بات ہے

آیت اللہ دستغیب شیرازیؒ فرماتے ہیں:

''اے جوانو! جب تم چھوٹے تھے تو بچوں کے ساتھ جمع ہو کر کھیل کود کرتے تھے۔ اے تیس سال کے آدمی کیا اب بھی تمہارا دل کھیل کود میں پڑا ہوا ہے۔ اب تو تم میں پختگی آنی چاہیے تھی۔ بچپن میں ایک دو آنے کو تم کس طرح مٹھی میں دبا کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔ کیا اب بھی تمہیں پیسے سے اتنی ہی محبت ہے؟ تم راہِ خدا میں کیوں خرچ نہیں کرتے؟ آخر تم کب بڑے ہو گے؟''

تین چار سال کے بچے لڑنے کے بعد چند گھنٹوں میں دوستی کر لیتے ہیں اور بغیر کسی بغض و عناد کے دوبارہ کھیل کود میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ چالیس پچاس سال کے بڈھے ڈھوک اگر ایک دوسرے سے ناراض ہو جائیں تو ہمیشہ کے لئے دل میں کینہ اور کدورت بھر لیتے ہیں۔ (کیا تم بچوں سے بھی بچے بن گئے ہو؟)۔

اے لڑکیو! جب تم چھوٹی ہوتی تھیں تو گڈے گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں لیکن تم اب بالغ ہو گئی ہو۔ عزت و عفت اور پردہ تمھارے شایانِ شان ہے۔ اب خود نمائی اور حُسن فروشی کرنا تم کو زیب نہیں دیتا۔

(آپ سب کو بلند حوصلے اور عزم و ارادہ ہی کے باعث علی ابن ابی طالبؑ کی ہمسائیگی نصیب ہو سکے گی)۔

علاج (۱)......

موت کا انتظار دل سے حبِّ دُنیا کو نکال دیتا ہے

اگر موت کے انتظار کی کیفیت آپ میں بیدار ہو جائے تو حبِّ دُنیا دل سے

نکل جائے گی اور آپ کے تمام امور درست ہو جائیں گے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: ''میں تم کو وصیت کرتا ہوں موت کا ذکر بکثرت کرو اور اس سے بے خبر نہ رہو۔''

آپ کی کوئی حالت موت کے خطرے سے باہر نہیں ہے۔ اس امکان کو مسترد نہ کریں ہمیشہ اسے مدِ نظر رکھیں کہ ہو سکتا ہے آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہو۔ ممکن ہے میرے حصے کا کفن بازار میں آگیا ہو۔

اس وقت کو یاد کریں جب آپ ایک مچھر تک ہٹانے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ وہ وقت یاد کریں جب زبان تک ہلا نہ سکیں گے، حافظہ کام کرنا چھوڑ دے گا یہاں تک کہ اپنے بچوں تک کے نام بھول جائیں گے۔

موت تلخ ہے۔ اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں البتہ اس کا نتیجہ شیریں ہے گھر سے بے پردہ نکلنے والی عورت یہ سوچے کہ شاید گھر سے باہر ہی میری موت واقع ہو جائے۔ بغیر موزہ کے ننگے پاؤں گھر سے نکلتے وقت یہ خیال کرے کہ جب میرے انہیں پاؤں کو کفن میں لپیٹا جا رہا ہو گا۔

موت کے مراقبہ (سوچ) سے ممکن ہے کہ کسی کو غلجان ہو کہ اس سے تو وحشت ہو گی اور دل گھبرائے گا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ جب وحشت ہونے لگے تو خدا کی رحمت کو یاد کریں اور سوچا کریں کہ اُس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے تو اس کے پاس جانے سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں۔

مگر ہم ہیں کہ موت کو اتنا بھولے ہوئے ہیں کہ دوسروں کو مرتے دیکھ کر بھی خیال نہیں آتا کہ منزل ہمارے سامنے بھی ہے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس موت اسی کے واسطے تھی اگر کوئی یاد کرتا بھی ہے تو بطور وظیفہ کے۔ مگر کیا کوئی مٹھائی کا ڈبہ

لے کر وظیفہ پڑھا کرے تو کیا اس سے اس کا منہ میٹھا ہو جائے گا؟ ہر گز نہیں۔ اسی طرح موت کا وظیفہ پڑھنے سے کام نہیں چل سکتا اس کو موت کی یاد نہیں کہہ سکتے۔ موت کی یاد یہ ہے کہ زیورات کی کثرت سے نفرت ہو جائے، گھر میں زیادہ سامان بکھیڑا معلوم ہو۔ جیسے سفر میں زیادہ اسباب بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ سفرِ آخرت سامنے ہے اور گھر میں اس قدر سامان ہے کہ جس کی تفصیل گھر والوں کو بھی معلوم نہیں اور گناہوں کا بوجھ جو گردن پر لادا جا رہا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

جبھی رسول اللہ فرماتے ہیں:

اکثر و ذکر ھا زم اللذات (یعنی الموت)

اپنی گفتگو میں لذتوں کو توڑنے والی چیز (موت) کا ذکر اکثر کیا کرو۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ایک فرشتہ ہے جو ہر دن یہ منادی کرتا ہے: "مرنے کے لئے جیتے رہو اور ویران ہونے کے لئے مکان بناتے رہو"۔

یہ بھی کہا ہے کہ مولود کے کان میں جو اذان کہی جاتی ہے۔ اس میں ایک نکتہ ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ اذان تکبیر ہوگئی ہے اب جنازہ کی نماز کے منتظر رہو۔ ہمیں اپنی موت کا دن دور نظر آتا ہے حالانکہ وہ بہت نزدیک ہے۔ لوگ اولاد کی تمنا اس لئے کرتے ہیں کہ نام کی حقیقت یہ ہے کہ باپ دادا تک تو سب یاد رہتا ہے کہ یہ شخص فلاں کا بیٹا ہے فلاں کا پوتا ہے اور آگے پر دادا کا نام پوچھو تو خود اولاد کو یاد نہیں رہتا۔ یہ دنیا کچھ نہیں فقط خیالات اور امنگیں ہیں در حقیقت کوئی شئے نہیں ہے۔

ذکرِ موت سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بس انسان اعمالِ نیک انجام

دیتا ہے کیونکہ نیک اعمال کرنے سے پروردگارِ عالم سے نیک گمان ہو جاتا ہے اور پھر لقائے پروردگار (موت) سے وحشت نہیں ہوتی۔

صحابیِ رسولؐ حضرت عباسؓ کی جب وفات ہوئی تو ان کے بیٹے عبداللہ ابن عباس کو بہت رنج تھا۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے حضرت ابن عباسؓ کو دو شعروں میں تسلی دی جس کا یہ مفہوم تھا:

''آپ حضرت عباسؓ کی وفات پر رنجیدہ کیوں ہیں؟ جبکہ آپ کو حضرت عباسؓ سے بہتر شئے یعنی ثواب مل گیا اور اگر اس پر رنج ہے کہ عباسؓ ہم سے جدا ہو گئے تو عباسؓ کو تم سے بہتر یعنی اللہ تعالیٰ مل گئے جو تم سے اچھے ہیں خوش رہو کہ وہ اچھی جگہ پہنچ گئے''۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس اعرابی سے بڑھ کر کسی نے تسلی نہیں دی۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''جو روزانہ بیس مرتبہ موت کو یاد کرے اس کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا''۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف موت کا نام لے کر اس کو یاد کرو بلکہ غرض یہ ہے کہ موت کو اس طرح یاد کرو کہ گناہوں سے بچنے کا سبب بن جائے۔

علاج (۲)......

زیادہ سے زیادہ صدقہ دینا حُبِّ دنیا کو دل سے نکالتا ہے

مولائے کل اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالبؑ کے ہاں ایک مہمان آیا اس نے دیکھا کہ علیؑ کے گھر میں غریب ترین سے کم تر درجہ کا سامانِ زندگی موجود نہیں۔ مہمان کو چٹائی پر بیٹھنا پڑا۔ مہمان سے رہا نہ گیا عرض کیا: مولاؑ آپ اپنے گھر کو

سامنے سے کیوں نہیں بڑھاتے آپ تو مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: ''ہم اہلبیتِ پیغمبرؐ جو بھی نئی چیز حاصل کرتے ہیں اُسے اُس گھر (آخرت) کی طرف روانہ کردیتے ہیں جو ہمارے پیشِ نظر ہے اور ہم اس گھر کی سجاوٹ میں مشغول ہیں تم کو جو یہ خالی خالی نظر آرہا ہے، بہت کچھ تھا مگر ہم نے پہلے ہی وہاں روانہ کردیا ہے۔

شیخ بہائیؒ نے کشکول میں روایت نقل کی ہے کہ کسی نے امام حسن مجتبیٰؑ سے عرض کی: یابن رسول اللہ ہم مسلمان موت سے بڑا گھبراتے ہیں اور ایک آپ اہلبیتؑ ہیں جو ہر وقت اسے گلے لگائے رکھتے ہیں۔ تو امام حسنؑ نے فرمایا:

''اصل میں تم سب کو دنیا آباد کرنے کی فکر لگی رہتی ہے اور وہاں کا گھر ویران کررہے ہو اور کوئی بھی عقلمند شخص آبادی سے ویرانے کی طرف جانا پسند نہیں کرتا۔''

علمائے اعلام میں سید ابن طاوسؒ فرماتے ہیں:

زکوٰۃ میں ۱/۱۰ (عُشر) جو فقراء کو دینے کے لئے معین کیا گیا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی ان سب نعمتوں کے باوجود اس کا اُلٹ کرتے ہیں یعنی (عُشر) ۱/۱۰ خود رکھ لیتے ہیں اور باقی فقراء میں تقسیم کردیتے ہیں۔

فرض وسائل رکھنے کے باوجود اس میں دل نہ لگائیں گھر میں Swimming Pool ضرور رکھیں مگر حوضِ کوثر سے دل چاٹ نہ ہونے پائے۔ سرسبز و شاداب مقام پر بیٹھ کر بھی علیؑ کی قربت کو نہ بھول بیٹھیں۔ بنگلہ بنوا کر اس میں باغ (Lawn) بنوا کر یہ مت سمجھیں کہ بس آخری مراد کو پہنچ گئے آپ کا ہدف تو باغ رضوان ہونا چاہیے۔

علاج (۳)......

ایثار و سخاوت پیدا کرنے سے حُبِّ دُنیا دل سے نکل جاتی ہے

کردار کی بلندی تو یہ ہے کہ انسان خود زحمت اٹھا کر دوسروں کو سہولت فراہم کرے جبکہ حُبِّ دُنیا یہ ہے کہ اپنی سہولت کی خاطر دوسروں کو زحمت میں ڈالا جائے۔ مولائے کائناتؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ ایک دن بازار گئے وہاں انہوں نے دو قمیضیں خریدیں اور جو بہتر تھی وہ انہوں نے قنبر کو دے دی۔ انسان کو ایسا ہی ہونا چاہئے یعنی دوسروں کو راحت پہنچانے والا۔ اگر چہ اسے خود ہی کیوں نہ زحمت اٹھانی پڑے دوسروں کا بوجھ اٹھائے نہ کہ خود دوسروں پر بوجھ بنے۔ دوسروں کو روزگار فراہم کرنے میں مددگار ہونا چاہیے۔ دوسروں کی روزی پر لات مارنے والا نہیں۔ دوسروں کا احترام کرنے والا ہونا چاہئے اپنی جھوٹی عزّت کی خاطر دوسروں کو ذلیل کرنے والا نہیں۔ ایثار و سخاوت کا دلدادہ ہو، جانوروں کی طرح فقط اپنی فکر میں مگن رہنے والا نہیں۔ ایسے ہی شخص کیلئے فرشتے موت کے وقت پھول لے کر آتے ہیں کہ وہ دنیا میں بھی پھول کی طرح بے ضرر بن کر کانٹا بن کر تکلیف دہ نہ بنا۔

اصلاً آدمی جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ کانٹے بونے والا کانٹے ہی پاتا ہے اور پھول اُگانے والا پھول ہی حاصل کرتا ہے۔ جو شخص دنیا میں کشادہ دل ہے، قبر میں اسے تنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اور جو شخص دنیا میں تنگدل ہے، دوسروں کو کچھ دیتے ہوئے اس کی جان نکلتی ہو، قبر بھی اس کے لئے ویسی ہی تنگ ہوگی۔

امام حسنؑ رسولِ اسلامؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: ''میری اُمت کے بہت سے لوگ نماز روزہ کی کثرت کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ ان کے دلوں

کی سلامتی، سخاوت اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری ان کو جنت میں لے جائے گی"۔

علاج (۴)......

ہر وقت آخرت کو یاد رکھیں

آخرت کے متعلق سوچ بچار کیلئے وقت نکالیں۔ جو عمل کرنے والے متقی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ وہ وقت نکال کر کثرت سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اب جیسا ان نمازوں کے لئے وقت نکالا ہے۔ آیا سوچنے کے واسطے بھی کوئی وقت رکھا ہے؟ جس میں یہ آخرت کی باتوں کو سوچا کریں کہ موت کے بعد کیا پیش آنے والا ہے؟ قبر میں کیا ہوگا میدانِ آخرت میں کیا کیفیت ہوگی؟ پل صراط پر کیا حالت ہوگی؟ حق تعالیٰ کے روبرو جانا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرة

تا کہ تم دنیا وآخرت کے معاملے میں سوچ لیا کرو۔

کہ جو دنیا وآخرت میں غور وفکر سوچ بچار کر کے ان کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا ہیچ ہے تو خود بخود آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی۔ آخرت کی سوچ سے دنیا کی لذات میں کمی واقع ہو جائے گی اور یہ بھی ہے کہ آخرت کی سوچ سے دنیاوی تکالیف میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

ایک عالم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک خوانچہ فروش ان کے سامنے سے گزرا اور یہ آواز لگائی "الخیار العشرة بدانق" یعنی دس ککڑیاں ایک دانگ (روپے) میں۔ دماغ میں کیونکہ ہر وقت آخرت کی فکر رہتی تھی تو یہ آواز سن کر آپ کا ذہن اخیار کے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہوا یعنی خیر کی جمع۔ آپ چیخ مار کر بے

ہوش ہو گئے اور اس سے پہلے فرمایا جب دس نیکیوں کی قیمت ایک روپیہ ہے تو ہم بُروں کی قیمت کیا ہے؟ واقعی کسی چیز کی اگر حقیقی فکر رہے تو یہی حال ہوتا ہے۔

ایک دفعہ امام سجادؑ ایک اونٹ پر جا رہے تھے کہ اونٹ ایک جگہ رُک گیا امامؑ نے مارنے کے لئے تازیانہ اٹھایا اور ہاتھ روک لیا اور کہا:

مجھے ڈر ہے کہ میں اس حیوان کو تازیانہ ماروں اور کل مجھ سے اس کی باز پُرس ہو جائے۔

ابوذر غفاریؓ کے جب بیٹے کا انتقال ہوا تو آپ اس کی قبر پر آ کر گریہ کرنے لگے اور فرمایا: ''اے فرزند میں تم پر اس لئے نہیں رو رہا ہوں کہ تم مجھ سے جدا ہو گئے ہو بلکہ اس خیال سے رو رہا ہوں کہ آج کی رات تمہاری قبر کی پہلی رات ہے معلوم نہیں تمھارے ساتھ کیا ہو رہا ہوگا؟ تم منکر و نکیر کے سوالوں کے صحیح جواب بھی دے رہے ہو کہ نہیں''؟

وجہ وہی ہے کہ ان سب کے نزدیک آخرت اہم تھی اور یہ ''اہمیت'' سوچ و بچار اور تفکر کے لئے وقت نکال کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

علاج (۵)......

وضو کی مستحب دعائیں مع ترجمہ یاد کرے اور وضو کرتے وقت انہیں توجہ سے پڑھے

(۱)...... جب پانی پر نگاہ پڑے تو یہ دعا پڑھے

بسم الله وبالله والحمد لله الذى جعل الماء طهوراًولم يجعله نجسا

خدا کی مدد سے، خدا کے سہارے سے (یعنی عبادت واطاعت کی منزل میں قدم رکھتا ہوں صرف اس کی اعانت وتوفیق کے بھروسے پر) حمد ہے اس خدا کے لئے جس نے پانی کو طاہر و مطہر قرار دیا اور اس کو نجس قرار نہیں دیا۔

(۲)......منہ میں پانی ڈالتے وقت کہے

ذہن کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ منہ میں سب سے اہم زبان ہے اس دنیا میں تو یہ زبان بہت چلتی ہے لیکن اگر زبان سوال کے موقع پر گنگ ہو جائے اور بارگاہِ الٰہی میں جواب دینے سے قاصر ہو جائے تو اس زبان کا کیا فائدہ؟ تو اس وقت کو یاد کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے:

اللھم لقنی حجتی یوم القاک واطلق لسانی بذکرک

''خداوند جس دن میں تیرے حضور حاضر ہوں مجھے اپنے سامنے جوابدہی کی طاقت عطا فرما اور اس دنیا میں بھی میری زبان پر تیرا ہی ذکر جاری رہے۔

(۳)......ناک میں پانی ڈالتے وقت کہے

متوجہ کیا کہ یہاں تو تم بہت عطریات و پرفیوم لگاتے ہو لیکن اگر روزِ قیامت تم جنت ہی کی خوشبو سے محروم ہو گئے تو کیا فائدہ؟

اللھم لا تحرم علیّ ریح الجنّۃ و جعلنی ممن یشم
ریحھا و روحھا و طیبھا

جنت کی خوشبو کو مجھ پر حرام نہ قرار دینا اور مجھے ان لوگوں میں قرار دینا جو جنت کی خوشبو، اس کے لطف اور اس کی پاکیزگی سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

(۴)......چہرہ پر پانی ڈالتے وقت کہے

اللھم بیض وجھی یوم تسود الوجوہ ولا
تسود وجھی یوم تبیض الوجوہ

''پروردگار! میرے چہرے کو روشن رکھنا اُس دن جس میں بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے اور میرے چہرے کو سیاہ نہ کر دینا جس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔

(۵)......دایاں ہاتھ دھوتے وقت کہے

اللھم اعطنی کتابی بالیمینی والخلد فی

الجنان بیساری و حاسبنی حساباً یسیراً

پروردگار! روزِ قیامت میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دینا اور جنت کی ہمیشہ زندگی حاصل کرنے کو میرے لئے آسان قرار دینا اور میرا حساب نہایت سہولت و آسانی کے ساتھ لینا۔

(۶)......بایاں ہاتھ دھوتے وقت کہے

اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری ولا

تجعلھا مغلولۃ الیٰ عنقی واعوذبک من مقطعات النیران

''پروردگار! روزِ قیامت میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ دینا اور میرے ہاتھوں کو میری گردن کی طرف نہ باندھ دینا اور پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں آگ کی بنی ہوئی ہتھکڑیوں سے۔

(۷)......سر کا مسح کرتے ہوئے کہے

اللھم غشّنی برحمتک و برکاتک وعفوک

پروردگار مجھے اپنی رحمت، برکت اور عفو و درگزر کے سائے میں لے لے۔

(۸)...... پاؤں کا مسح کرتے ہوئے کہے

اللھم ثبتنی علیٰ الصراط یوم تزل فیه الاقدام واجعل

سعی فیما یرضیک عنی یا ذالجلال والاکرام

پروردگار! مجھے اس دن پلِ صراط پر ثابت قدم رکھنا جب لوگوں کے قدم اس پر لڑکھڑا رہے ہوں گے اور میری تمام کوششوں کو ان باتوں میں لگا دے، جو تجھ سے رضامند کر دیں۔

اگر وضو کی یہ مستحب دعائیں کوشش کر کے یاد کر لی جائیں یا انہیں لکھ کر وضو کی جگہ چسپاں کر دیا جائے اور وضو کے دوران ان کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یقیناً خوفِ آخرت زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا اور دنیا کی محبت کم سے کم ہوتی جائے گی۔

علاج (۲)......

آخرت کی ہولناکیوں کے متعلق معلومات بڑھاتا رہے

مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں: ”میں اپنے نفس کو ریاضتوں کے ذریعے آراستہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہوں تاکہ یہ قیامت کے دن محشر کی ہولناکیوں سے امان میں رہے“۔

شیعہ کے معنی ہی پیروی کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ اگر آپ علیؑ کے شیعہ ہیں تو آپ کو چاہئے کہ علیؑ کی پیروکاری کریں اور نفس کی تربیت سے غافل نہ ہوں آخرت کی ان تفصیلات کو جاننے کے لئے علمائے اخلاق کی کتابیں خصوصاً شیخ عباس قمیؒ کی منازل الآخرۃ (مرنے کے بعد کیا ہوگا) کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

علاج (۷)......

جنت کی تفصیلات کا مطالعہ بھی عرق ریزی سے کرے

چونکہ انسان کو لذات کی طرف رغبت ہوتی ہے لیکن اس کو جنت کی نعمتوں اور لذات کے متعلق کچھ معلومات ہی نہیں۔ اس وجہ سے جنت وآخرت کی طرف رغبت بھی نہیں ہوتی بلکہ اس سے وحشت ہوتی ہے۔ اگر آپ کا دل موت کے متعلق سوچنے سے گھبراتا ہے تو حیات کو سوچئے کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے۔

مولانا روم نے مثنوی میں لکھا ہے: ''اہل اللہ جب جہنم کے اوپر سے پار ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ ہم نے سنا تھا کہ پل صراط جہنم کے اوپر ہے مگر ہم کو تو راستے میں جہنم نظر نہیں آیا تو فرشتے کہیں گے تم نے راستے میں ایک باغ دیکھا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں باغ تو دیکھا تھا۔ فرشتے کہیں گے وہ جہنم تھا تمہارے اعمال کی برکت سے وہ باغ کی صورت میں تم کو نظر آیا''۔

تو ان کے لئے جہنم بھی گلزار ہو جائے گا تو پھر ان سے زیادہ راحت میں کون ہوگا؟

علاج (۸)......

کوشش کرکے اس عارضی زندگی میں آسائشوں (Luxuries) کا حصول کم سے کم رکھیں

چونکہ فطری لذتیں اور آسائشیں خواہ کتنی ہی کم ہوں خدا اور بندے کے درمیان حجاب (رُکاوٹ) بن جاتی ہے۔ اگر مومن کی آسائشوں کی طرف رغبت بہت بڑھ جائے تو مرتے وقت اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا اس کو اس کے محبوب سے جدا کر رہا ہے اور ملک الموت اور اس مومن کے درمیان کشمکش میں وہ اس طرح اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کی طرف سے

ناراضگی ہوتی ہے۔

یہی دنیاوی آسائشیں قبر اور برزخ میں طولانی مدت تک رہنے کا سبب ہوتی ہیں۔ اسی لئے بعض روایات کے مطابق اولیائے خدا تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے اور یہ تین دن بھی اس فطری دنیاوی تعلق کی بناء پر ہوتا ہے۔
جبھی مولائے کائنات فرما گئے:

''جو جنت کا مشتاق ہے اسے شہوتوں کو ترک کرنا ہوگا''۔

حضرت ابوعبید اللہ صحابیٔ رسولؐ کے گھر میں ایک تلوار ایک ڈھال اور ایک رحل کے سوا کچھ نہ تھا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: ''جہاں مجھے جانا ہے وہاں کے لئے اتنا بھی کافی ہے''۔

مطلب یہ تھا جب قبر میں ہی جانا ٹھہرا تو اتنے زیادہ ساز و سامان کی کیا ضرورت ہے۔ حکایات میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک خط ملا جس میں ان الفاظ میں کچھ درج تھا: ''اس روز کو آیا ہی سمجھو جب اس شخص کو بھی موت آجائے گی جس کے لئے سب سے آخر میں مرنا لکھا ہے''۔

اس کو پڑھ کر آپ نے کہا: ''اس دن کو بھی آیا ہی جانو جب یوں معلوم ہوگا کہ دنیا کبھی تھی ہی نہیں اور ہمیشہ سے آخرت ہی میں رہتے چلے آرہے ہیں''۔

یہ بات ضرور ہے کہ جائز آسائشوں کے حصول کے سبب عذاب تو نہیں ہوتا۔ لیکن وہ سبب طول حساب ہے اور اس کے سبب بھی انسان آخرت میں بلند درجات سے محروم رہتا ہے اور ہر صاحب بصیرت جانتا ہے کہ زیادہ دیر محشر میں حساب کے لئے ٹھہرنا بھی ایک عذاب ہے۔

دنیا کی طرف نامکمل اور سرسری توجہ مت دیں بلکہ کامل اور بھرپور توجہ دیں

جس سے حقیقت واضح ہوجائے کیونکہ قرآن میں تفکر فی الدنیا کا حکم ہے (لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ) ۔اسی وجہ سے علماء نے دنیا کی حالت میں کامل توجہ کی ہے اور اس کی حقیقت سمجھ کر ہم کو بتادیا ہے۔

مولائے کائناتؑ نے اس پر کامل توجہ کی ہے اور بتایا کہ دنیا کی حالت تو یہ ہے:

حلال چیزوں کا حساب دینا ہوگا اور حرام چیزوں پر عذاب بھگتنا ہوگا۔

ہم دنیا کو بُرقع کے اوپر سے دیکھ کر اس پر عاشق ہوگئے اور اہل اللہ نے بُرقع اٹھا کر اسے دیکھا ہے۔اس لئے آخرت کی طلب میں لگ گئے ہیں وہ دنیا سے بے توجہی کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ اتنی کامل توجہ دو کہ حقیقت معلوم ہوجائے۔ناتمام توجہ مت کرو کہ ظاہر ہی تک رہ جاؤ۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ علماء ترقی سے منع کرتے ہیں جبکہ وہ قرآنی حکم (فاستبقو الخیرات) خیر میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرو، کے مطابق ترقی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔اب خیر کا مقابل شر ہے اور"ترقی فی الشر"کو کوئی عاقل مطلوب نہیں کہہ سکتا۔جبکہ بغیر سلامتی دین کے دنیاوی ترقی کو علمائے اعلام ترقی ورم سمجھتے ہیں۔جس شخص کے بدن پر ورم یا سوجن آجائے ظاہر میں تو وہ ترقی یافتہ ہے مگر حقیقت میں تنزلی کی طرف جارہا ہے لہٰذا دین کے بغیر دنیاوی ترقی ورم کی طرح ہے۔اس کے وہ حامی نہیں ہیں ورنہ فی نفسہ ترقی دنیا جسمیں دین

سلامت رہے، وہ ہم سے زیادہ حامی ہیں۔

فنائے دنیا کا علم رکھنے کے باوجود لوگوں کو اس سے کیوں غفلت ہوجاتی ہے؟

مثلاً اگر کوئی بیٹا اپنے باپ سے بدکلامی کرے تو لوگ اس کو سمجھاتے ہیں دیکھو یہ تمھارا باپ ہے حالانکہ لڑکا کہہ سکتا ہے کہ باپ ہونا تو مجھے آپ لوگوں سے زیادہ معلوم ہے۔ میں نے تو صرف بدتمیزی کی ہے۔ لیکن اہلِ زبان اس کو یہی کہیں گے کہ اس علم ابویت کو تقاضہ تو یہ تھا کہ تم اس کا ادب کرتے۔ تم نے اس کے خلاف عمل کیا تو گویا تمہیں اس کا علم ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ زبان بھی اعتقاد کے ساتھ عمل کو بھی مقصود سمجھتے ہیں۔ اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ بھئی ہمیں دنیا کا فانی ہونا معلوم ہے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ مگر عملِ برتاؤ ایسا ہے کہ جیسے باقی رہنے والی شئے کے ساتھ ہوا کرتا ہے، تو ان کا یہ اعتقاد نہیں مانا جائے گا۔

اب عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فنائے دنیا سے کبھی غفلت نہ ہو مگر کیا کریں کہ ہماری طبیعت غفلت کی مقتضی ہے کیونکہ فنائے دنیا کو بار بار دیکھتے دیکھتے مساوات سی ہوجاتی ہے اور جس چیز کی مساوات سی ہوجائے، یکسانیت آجائے تو اس سے طبیعت کو غفلت ہوجاتی ہے۔ مگر شریعت نے یہاں بھی دونوں کو معتدل کردیا اور دونوں کی رعایت فرمائی ہے کہ چلو غفلت کا تو اتنا مضائقہ نہیں مگر اتنی غفلت نہ ہو کہ احکامِ عقلیہ بالکل ہی برباد ہوجائیں۔

اگر تھوڑی سی بھی غفلت نہ ہو تو انسان دنیا کا کوئی کام نہ کرسکے کہ اگر سامنے ہر وقت موت کھڑی رہے تو وہ کوئی کام اچھی طرح نہیں کرسکتا۔ اتنی غفلت کا تو

مضائقہ نہیں جس کی انتظامِ معاش میں ضرورت ہو مگر اتنی نہ ہو جیسے گویا ہمیشہ اسی میں رہنا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مسافر سرائے یا ہوٹل میں دل لگائے اور اس کی تزئین و آرائش میں لگ جائے تو یقیناً سب اس کو بے وقوف کہیں گے کہ صرف رات بھر کا تو قیام تھا، اس کے لئے اتنا اہتمام۔ یہ تو وطنِ اصلی کے لئے مناسب تھا۔

جبکہ حقیقت یہی ہے کہ جس چیز کے لئے لوگ دنیا طلب کرتے ہیں یعنی راحتِ قلب، وہ بھی دنیا سے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ وہ دین ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ اللہ سے بڑھ کر راحتِ قلب کسی کو حاصل نہیں اور یہی روح ہے دنیا کی۔ تو معلوم ہوا کہ طالبانِ دنیا کو دنیا سے بھی کچھ حصہ نہیں ملا وہ تو محض ظاہری اسباب کو لئے بیٹھے ہیں اور روحِ دنیا انہی کو حاصل ہے جن کو آپ تارکِ دنیا کہتے ہیں۔ روحِ دنیا، دنیا کے پیچھے بھاگنے سے نہیں ملتی بلکہ اس کے ترک کرنے سے ملتی ہے۔ پھر حیرت ہے کہ لوگ اس چیز کے عاشق ہیں جس کے ملنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس سے محبت نہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ جب طلبِ آخرت کا دنیا میں یہ نتیجہ ہے کہ طالبِ آخرت کو یہاں بھی راحتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے تو خود آخرت میں پہنچ کر کیا حال ہوگا؟

علاج (۱۰)......

اگر سوچ ہی لیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز حاصل کرنا ہے تو ٹھیک ہے۔ اس میں صرف ایک چیز کا اضافہ کر لیجئے اور وہ ہے قُربِ خدا۔ اس کو بھی حاصل کر لیجئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے واجبات کو ادا کیجئے۔ مثلاً اگر آپ کے اوپر قضا نمازیں ہوں، قضا روزے ہوں، خمس پابندی سے ادا نہ کرتے ہوں نمازِ آیات یا ردِّ مظالم

آپ پر باقی ہوں تو ان کی ادائیگی شروع کر دیجئے۔ اگر حج اب تک انجام نہ دیا ہو اور وہ آپ پر واجب ہو تو اس کو ادا کیجئے۔

گناہوں سے حتیٰ الامکان بچتے رہیے۔ قدرِ استطاعت تقویٰ اختیار کیجئے جب یہ آیت نازل ہوئی کہ فاتقو اللہ حق تقاتہ (تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ حق ہے تقویٰ اختیار کرنے کا)۔ تو اصحابِ رسولؐ گھبرا گئے کہ پروردگار عالم کی شان کے مناسب تقویٰ کیسے ہو سکتا ہے؟ تب تسلی کیلئے فاتقو اللہ ما استطعتم (استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کرو) والی آیت نازل ہوئی۔

اگر کبھی معاذ اللہ گناہ بھی ہو جائے تو بھی یہ نہ سمجھو کہ بس اب مردود ہو گئے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع کرو اور یہ سمجھ کر کہ گناہ کا علاج بھی وہی کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو وحی آئی :

اے موسیٰؑ! میرا محبوب بندہ وہ ہے جو مجھ سے ایسا تعلق رکھے جیسے بچہ اپنی ماں سے رکھتا ہے۔ الٰہی یہ تعلق کیسا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ماں بچے کو مارتی ہے اور بچہ اسی سے لپٹتا ہے، پس گناہ کر کے بھی اس کو نہ چھوڑو اسی سے لپٹو۔ اس سے زیادہ آسان کامیابی کا طریقہ کیا ہوگا۔ کوئی دشواری نہیں۔ گناہ کے بعد اس کے در پر جھک کر توبہ کیجئے۔ اس طریقے سے گناہوں سے اجتناب آسان ہو جائے گا اور اس طریقے سے حقِ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی اور حُبِّ دُنیا بھی دل سے نکل جائے گی۔

علمائے اعلامؒ نے بھی عوام الناس سے اس قدر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ اپنی صورتِ ظاہری، شریعت کے مطابق بنالیں اور صورتِ عبادت کے پابند

ہو جائیں کیونکہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ یہ صورت ہی انشاء اللہ ایک مبدل الحقیقت ہو جائے گی۔ اگر عبادت میں ریا آئے تب بھی اس کو کرتے جائیں کیونکہ ریا ہمیشہ نہیں رہتی۔ چند روز میں عادت ہو جاتی ہے اور پھر عادت عبادت بن جاتی ہے اور پھر وہ ذریعہ قُرب بن جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ادائیگی واجبات اور ترکِ محرمات پر دوام کے بعد عشقِ الٰہی پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں حُبِّ دُنیا اور ترکِ آخرت پر شکایت کی ہے کیونکہ جس درجہ کی حُبِّ دُنیا ہوگی اسی درجہ کی ترکِ آخرت ہوگی۔ جب عشقِ الٰہی آجائے تو گویا یہ کیفیت ہو جاتی ہے جیسا کہ ایک واقعہ روایت میں آیا ہے رسولِ مقبول ایک دفعہ جمعہ کے دن کا خطبہ دے رہے تھے اور بعض لوگ پریشان پھر رہے تھے۔ آپ نے ان کو بٹھانے کے لئے اشارہ فرمایا: ''اجلسو'' (بیٹھ جاؤ)۔ اس وقت صحابی دروازے پر تھے۔ اجلسو کی آواز سنتے ہی دروازے پر بیٹھ گئے اگرچہ حکم ان کے لئے نہیں تھا لیکن شدتِ اطاعت اور عشق غالب آگیا اور گوارا نہ ہوا کہ آپ ایک حکم فرمائیں خواہ وہ کسی کو ہو اور اس کی تعمیل نہ کی جائے۔ بس یہی ذوق وشوق اور محبت ہم میں ختم ہوگئی ہے اور قلبِ صادق ہم میں پائی نہیں جاتی اگر ہوتی تو حکم عدولی رسولؐ و آئمہؑ کی یہ کیفیت نہ ہوتی جو آج ہے۔

علاج (۱۱)......

زندگی کے معمولی سے معمولی کاموں میں بھی ذکرِ الٰہی اور یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوں بلکہ ہر نعمت کے استعمال کے موقع پر نعمت دینے والے سے غافل نہ رہیں۔ جب ہر وقت زبان و دل سے یادِ خدا ہوگی تو حُبِّ دُنیا کے لئے دل میں جگہ نہ رہ جائے گی اور اس کیلئے پھر دل سے نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔

سید ابن طاؤسؒ جب ایک سے زیادہ قسم کی غذائیں کھاتے تھے تو ہر قسم کی غذا سے پہلے بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ جانور کا دودھ دوہنے سے پہلے بسم اللہ کا حکم دیتے تھے۔ ہر روٹی تندور میں لگانے سے پہلے بسم اللہ کہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ وہ ایسا دودھ نہیں پیتے تھے جس کے دوہنے سے پہلے بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اور ایسی روٹی نہیں کھاتے تھے جس کے پکانے سے پہلے بسم اللہ نہ کہی گئی ہو۔

جب یہ حالت ہو گی تو حبِ دُنیا کی گنجائش کہاں ہو گی ؟

علاج (۱۲)......

اہلِ ذوق اور آخرت کا شوق رکھنے والوں سے نشست برخاست رکھیں تاکہ آپ بھی اہلِ شوق میں سے ہو جائیں۔ دنیادار اور ہر وقت دنیا کی فکر میں منہمک افراد سے میل جول کم کر دیں تاکہ اُن کا اثر آپ پر نہ پڑے۔

علاج (۱۳)......

اکثر قبرستان جا کر قبروں کی زیارت کریں ان سے بڑھ کر وعظ و نصیحت قبول کرنے کی جگہ کوئی نہیں۔

علاج (۱۴)......

تلاوتِ قرآن معہ ترجمہ روزانہ کا معمول رکھیں کہ بے رغبتی دنیا اور شوقِ آخرت پیدا کرنے کے لئے کلامِ الٰہی سے بڑھ کر کیا چیز ہو گی؟

بے ذوق و شوق مومن کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتا اگر شوق میں شدّت ہو تو دوسرے خواب وخرگوش کے مزے لے رہے ہوں گے اور یہ سحر خیزی اور العفو کا ورد کر رہا ہو گا (المستغفرین بالاسحار) جبکہ مُردوں کی طرح دیر تک سوئے رہنا اور نمازِ صبح قضا کرنے والے کو اس ثواب کے حصول کی پرواہ تک نہیں ہوتی۔ جبکہ

ثواب کا شوق عبادت کی زحمت کو بھی کم کر دیتا ہے۔

علاج (۱۵)......

حدیث میں ہے کہ رسولِ خدا ؐ گھر کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے۔ ازواج سے بات چیت کر رہے ہوتے تھے لیکن جب اذان ہوتی تو یہ حالت ہوتی کہ ''قام کانہ لایعرفنا'' (ایسے کھڑے ہو جاتے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہ ہوں)۔

کم از کم یہی کیفیت پیدا کرلیں کہ ٹھیک ہے دنیا کے کاموں میں مشغول رہیں۔ پس جب اطاعتِ خدا کا وقت آجائے، اُس وقت اِس عبادت کے وقت پر تو کم از کم وہ کام کرلیں۔ خمس کی تاریخ آجائے خمس دے دیں۔ اس وقت کمی وقت کے اور قلتِ سرمایہ کے بہانے نہ بنائیں۔ ادائیگی واجبات کا وقت آجانے کے بعد بھی دنیاوی دھندوں میں لگے رہنا، حُبِّ دُنیا کی علامت ہے اور اس کو کم کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ کم از کم اس وقت تو اس کام کو ادا کرلیا جائے۔

علاج (۱۶)......

جائز طریقے سے مال حلال جتنا چاہے حاصل کریں مگر حُبِّ دُنیا کو کم سے کم رکھنے کے لئے کم از کم چھ جگہوں پر مال خرچ کرے۔

یاد رہے کہ مال و دولت کی مثال سانپ کی سی ہے۔ اس میں جہاں زہر ہے وہاں تریاق بھی ہے۔ جب تک زہر کو تریاق سے الگ نہ کیا جائے گا، اُس وقت تک اِس کے نقصان سے بچا نہ جا سکے گا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ چھ جگہوں پر مال خرچ کیا جائے:

(۱)......اوّل یہ کہ مال کو اپنے اوپر خرچ کیا جائے چاہے بطورِ عبادت ہو۔ مثلاً حج و عمرہ کے لئے یا برائے عبادت ہو یعنی ضروریاتِ زندگی کیلئے کیونکہ اگر یہ

چیزیں بقدرِ ضرورت میسر رہیں تو انسان عبادت کے قابل ہو سکتا ہے اگر یہ چیزیں بقدرِ کفایت نہ ہوں گی تو لامحالہ ان کی طلب میں سرگرداں رہے گا۔ پس اگر مال حاصل ہو اور مقصود اس سے فراغت برائے عبادت ہو تو یہ خود عینِ عبادت ہے اور یہ دینی فوائد میں شامل ہے اور اس کو دنیاوی فائدے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)...... اس مال میں سے صدقہ سے اس کا ثواب اندازے سے بھی بہت زیادہ ہے لیکن یہ ثواب اسے حاصل ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس مال ہوتا کہ وہ صدقہ دے سکے۔

(۳)...... تیسری چیز مُروّت ہے کہ انسان اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کھلائے پلائے اور مہربانی و محبت سے پیش آئے۔ خواہ وہ لوگ کھاتے پیتے اور غنی ہی کیوں نہ ہوں کہ نیکی بہرحال نیکی ہے خواہ مالدار سے ہی کیوں نہ کی جائے۔ ہدیہ اور تحائف دینا، غمگساری اور ہمدردی کرنا اور لوگوں کے درجہ بدرجہ حقوق ادا کرنا بھی مُروّت میں شامل ہے۔ اس سے صفتِ سخاوت پیدا ہوتی ہے جو خود ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔

(۴)...... تحفظِ ناموس کے لئے مال و دولت کو خرچ کرنا کہ یہ مال و دولت ہی ہے جو آدمی کو دنیا کی نظروں میں باعزت اور محترم بنا دیتی ہے یعنی یہ مالدار لوگ وہ ہیں کہ دنیا ان کی محتاج ہوتی ہے اور خود دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں اور اس دولت کی وجہ سے ان کے پاس دوستوں اور بھائیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ اس سے آدمی لوگوں میں محبوب و مقبول ہوتا ہے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے حقارت سے دیکھ سکے اور بعض دفعہ بہت سے شرّی لوگوں کو دینے سے اُن کی زبان درازی، چغل خوری، فحش گوئی اور غیبت کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ پس ان کو کچھ دے کر ان کا

منہ بند کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے حضورؐ کا ارشاد بھی ہے:

''جو مال زبان درازوں اور چغل خوروں سے اپنی عزت بچانے کے لئے دیا جائے وہ بھی صدقہ ہی ہوتا ہے''۔

(۵)...... پانچواں موقع یہ ہے کہ حقِ خدمت ادا کیا جائے یعنی اُن لوگوں کو دیا جائے جو خدمت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص خادم یا ملازم وغیرہ نہیں رکھتا اور سارے کام اسے خود ہی کرنا ہوں۔ مثلاً کپڑے دھونا، بازار آنا جانا، سودا سلف لانا، چیزیں تیار کرنا وغیرہ تو اس کا سارا وقت تو انہیں دھندوں کی نظر ہو جائے گا اور ہر شخص کا فرضِ عین یعنی عبادت اسے تو کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا وہ تو اس کا اپنا ہی فرض ہے اور ذکر و فکر میں تو کسی کو اپنا نائب نہیں بنایا جا سکتا۔

چنانچہ اگر سارا وقت انھیں کاموں کی نظر ہو جائے تو ان عبادات کو ادا کرنے کے لئے وقت کہاں سے آئے گا۔ خصوصاً جبکہ عمر کم ہے اور اجل قریب سے قریب تر آ رہی ہے اور سفرِ آخرت کی منزل بہت طویل اور لمبی ہے لہٰذا اس کے لئے بہت سارا زادِ راہ بھی درکار ہے اور ایک ایک سانس قیمتی ہے لہٰذا جس مشغولیت سے بھی گریز ممکن ہو اس سے گریزاں ہی رہنا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت کے لئے میسر آ سکے اور بغیر پیسوں کے یہ ہو نہیں سکتا یعنی اگر مال ہوگا تو نوکروں چاکروں کو دے کر کچھ دوسرے کام ان سے کروا سکتے ہیں اور خود ان سے بچ سکتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا بھی ثواب ہے لیکن یہ درجہ ان لوگوں کا ہوتا ہے کہ جن کی عبادت بدنی ہوتی ہے نہ کہ دل سے۔ لیکن جس شخص کا معاملہ دل سے ہو، تن سے نہ ہو اور اسے کارِ آخرت کا علم بھی حاصل ہو یعنی وہ ذکرِ الٰہی اور تفکر کی اہمیت سے آگاہ ہو، اس کو کچھ کام تو لامحالہ

دوسروں سے لینے پڑیں گے تاکہ اسے فراغت میسر رہے۔ جوان دنیاوی کاموں سے بہت زیادہ اہم اور عزیز تر ہے جو جسمانی طور پر ادا کرنے ہوتے ہیں اور اس کا سارا کا سارا وقت لے لیتے ہیں۔

(۶)...... چھٹا موقع یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو خیرات نہ دے بلکہ عام خیراتی کام کرے۔ مثلاً مسجد، مدرسہ، یتیم خانہ، ہسپتال غریبوں کے لئے وقف کرے یا کوئی اور ثوابِ جاریہ والا کام کر جائے جو مرنے کے بعد بھی اس کے کام آتے رہیں:

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پُل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

تاکہ لوگ بھی ان سے فوائد حاصل کرتے رہیں اور یہ بات بھی بغیر مال کے ممکن نہیں ہو سکتی۔ الغرض اگر حبِّ دُنیا ایسی ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی دُھن سے نجات نہیں پا سکتا تو ٹھیک ہے کم از کم حُبِّ دُنیا کو چھ مواقع پر مال خرچ کر کے کم تو کیا جا سکتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ مال پر خمس، زکوٰۃ، فطرہ، حج وغیرہ کے موقع پر خرچ واجب کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح سے مال دوسروں کو دے کر حُبِّ دُنیا کو کم سے کم کر دیا جائے۔ غرض ان تمام امور میں خرچ کرنے کی نیت خالصتاً اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ اسی وجہ سے جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

''جو شخص تمام دنیا کا مال جمع کرنے میں قربۃً الی اللہ کی نیت رکھتا ہو تو وہ زاہدوں (دنیا کے بے رغبتوں) میں سے ہے اور اگر تمام دنیا کے مال کو ترک کر دے اور نیتِ قربت نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہے''۔

ایک غلطی اور اس کا ازالہ

بعض وعظ ونصیحت کرنے والے حُبِّ دُنیا مذمت کرنے پر جو آئیں گے اور زُہد وتوکل کا جو بیان کریں گے تو ایسا ہوا بنا دیں گے کہ وہ واعظ صاحب کے والدِ ماجد سے بھی نہ ہو سکے۔

شرعاً زُہد وتوکل کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال و دولت کے ساتھ بھی زُہد وتوکل ہو سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائیں اور حد سے زیادہ کے درپے نہ ہو پس یہ زُہد ہے اور اگر بغیر مانگے اور بلا طلب ضرورت سے زائد پروردگارِ عالم خود بھی عطا فرما دے تو یہ بھی زُہد کے خلاف نہیں ہے۔

اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھے اور اس کے لئے اسباب کا ترک اور ترکِ ملازمت جائز نہیں۔ اہلِ ایمان کی بعض طبیعتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کے پاس کچھ مال و دولت نہ ہو تو ان کے ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ ان لوگوں کو ترکِ اسباب کرنا حرام ہے اور ان کو مال جمع کر کے ہی توکل کرنا چاہئے۔ گو کہ اسباب میں کچھ تاثیر نہیں ہے مگر ان سے ایک گونہ تسلی ہو جاتی ہے جیسا کہ رقم پاس ہوتی ہے تو ایک اطمینان سا رہتا ہے اور بعض لوگوں کو بغیر رقم ایسا اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ رقم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب میں بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے قلب کو یکسوئی رہتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر آپ کبھی ریل میں سوار ہوں اور ٹکٹ آپ کے پاس ہوں تو ظاہر ہے کہ ایک دلجمعی اور اطمینان رہتا ہے اور اگر ٹکٹ کھو جائیں چاہے نمبر وغیرہ سب یاد ہوں تو اس وقت ایسا اطمینان نہیں ہوتا۔

اس لئے واعظین جو زُہد وتوکل کے لئے ملازمت ترک کرنے اور اپنے پاس

کچھ جمع نہ رکھنے کی عام طور پر تعلیم دیتے ہیں، یہ اُن کی غلطی ہے۔ یہ لوگ ایسا توکّل سکھاتے ہیں جیسا کہ کسی مولوی صاحب نے کسی بادشاہ کو تعلیم دی تھی کہ تم نے اتنی فوج کیوں جمع کر رکھی ہے؟ اس کو الگ کر دو اگر دشمن جمع ہوگا تو ہم اس کو وعظ و نصیحت سے سمجھالیں گے۔ بادشاہ نے فوج الگ کر دی۔ کچھ دن کے بعد دشمن نے حملہ کر دیا، بادشاہ نے مولوی صاحب کو بلایا کہ وعظ و نصیحت سے دشمن کو دفع کرو۔ یہ سمجھانے گئے اور کچھ نصیحتیں کیں مگر دشمن نے ایک نہ مانی تو مولوی صاحب اپنا سامنہ لیکر واپس آئے اور بادشاہ سے کہا: ''حضور یہ تو بہت بد معاش ہیں مانتے ہی نہیں بس ان کا ایمان گیا اور آپکا ملک گیا۔ صبر کیجئے''۔

تو حضورؐ نے ایسا توکّل نہیں سکھایا اور تعلیم دی کہ زُہد یہ ہے کہ دنیا کی دل میں قدر نہ ہو اور اس سے دل کو خالی رکھو یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ بھی خالی رکھو۔

البتہ دل اس چیز سے اتنا نہ لگالو کہ اگر وہ چیز تلف اور ضائع ہوجائے تو افسوس ہی میں جان ہلکان کرلو۔ ایک دفعہ ایک عالم کے پاس تحفہ میں آئینہ چینی آ گیا تھا جو بڑا قیمتی اور نایاب تھا۔ اتفاق سے ایک دن خادم کے ہاتھ سے وہ آئینہ ٹوٹ گیا۔ وہ ڈرا کہ کہیں عتاب نہ ہو، ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا حضور

از قضا آئینہ چینی شکست

(قضائے الٰہی سے آئینہ چینی ٹوٹ گیا)

انہوں نے فی البدیہہ جواب دیا کہ

خوب شد اسبابِ خود بینی شکست

(اچھا ہوا کہ خود بینی کے اسباب کو شکست ہوئی)

اس دنیا میں زُہد سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب مولائے کائناتؑ نے یوں دیا ہے:

لکیلا تاسو علیٰ مافاتکم ولا تفرحو بما اتا کم

جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اس کی پرواہ نہ کرو اور جو چیز ملے اس پر (ضرورت سے زائد) خوش نہ ہو۔

امام حسینؑ کا ایک لقب "الزاہد" بھی ہے۔ آپ نے اپنی بہن جناب زینبؑ سے ارشاد فرمایا:

"اے میری بہن ملامت نہ کرو میری موت کی خبر سننے کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو۔ آج یا کل نہ ہے نصیب کہ خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔ اہلِ زمین میں سب مر جائیں گے اور اہلِ آسمان بھی باقی نہیں رہیں گے۔

میرے جدِّ امجد مجھ سے کہیں بہتر تھے وہ دنیا سے چلے گئے۔ میرا باپ، میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے، وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے صبر کو ختم کر دے۔"

زُہد کے بھی یہی معنی ہیں دنیاوی زندگی سے بے رغبتی۔ اگر آپ عاقل ہو گئے تو آپ زاہد بھی ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عقلی تقاضوں کے تحت زندگی کو اعتدال کے ساتھ بسر کیا جائے۔ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لینا اور اس پر تکیہ کرنا بے اعتدالی ہے۔ آپ کا ہدف فقط دنیا نہیں ہونا چاہئے۔ عقلمند انسان شروع ہی سے دنیا کے فنا ہو جانے کا شعور رکھتا ہے۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ اس میں کم دلچسپی لیتا ہے بلکہ اپنی دوستی کا دائرہ عالمِ آخرت تک وسیع کر لیتا ہے۔

والذین امنو اشدا حبُاللّٰہ

ایک بڑا مقام

اہلِ آخرت، آخرت کی طرف جتنا متوجہ ہوتے جاتے ہیں، اتنا ہی ان کی توجہ دنیا سے کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پوری دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں استغناء پیدا ہو جاتا ہے اور زیبائشِ دنیا کو وہ حضرات ناچیز خیال کرنے لگتے ہیں جیسے اہل اللہ دونوں سے مستغنی ہوتے ہیں اور دونوں ہی سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور وہ صرف غنی علی الاطلاق (پروردگارِ عالم) کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور جلوۂ پروردگار ان کے دل کے آئینہ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ خدا ہم سب کو انہیں لوگوں میں قرار دے۔ آمین!

مدارک

قرآن مجید

نہج البلاغہ

چہل حدیث

ایمان

دنیا و آخرت

درسِ اخلاق

عروج السعادۃ

نورِ اخلاق

نسخۂ کیمیا

احیاء العلوم

تنبیہ الغافلین

اسلامی اخلاق کا جدید اسلوب

حُبِّ دنیا یا حُبِّ آخرت

ایک شخص نے امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی

مولاؑ ! ہم دنیا سے محبت کرتے ہیں (مراد مالِ دنیا ہے)

آپؑ نے فرمایا: تم اسے کس کام میں لاتے ہو۔؟

اس نے عرض کیا:

- ہم اس (پیسے) سے شادی کرتے ہیں
- حج بجالاتے ہیں
- محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں
- مومن بھائیوں کی مدد کرتے ہیں
- اور راہِ خدا میں صدقہ دیتے ہیں

امامؑ نے فرمایا: یہ دنیا نہیں، آخرت ہے۔۔

(یعنی یہ حُبِّ دنیا نہیں ، حُبِّ آخرت ہے)

(کتاب: اسلامی اخلاق کا جدید اسلوب ...... آیت اللہ آصف محسنی)